تذکرہ

شاعراتِ روہیل کھنڈ

شاداب ذکی بدایونی

نام مصنف :-	شاداب ذکی بدایونی
نام ناشر :-	شاداب ذکی بدایونی
سن اشاعت :-	سنہ ۱۹۹۱ء
کاتب :-	محمد کمال الدین رضوی بھاگلپوری
مطبع :-	بریلی الیکٹرک پریس بریلی
قیمت :-	۴۵ روپئے
تعداد بار ہذا :-	۶۰۰
زیرِ اہتمام :-	کامیاب ذکی
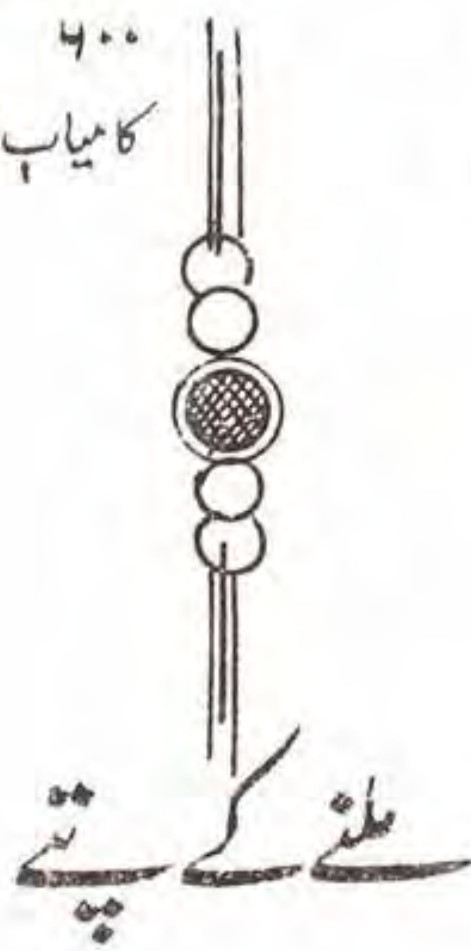
ذکی منزل ۔ سوتھا ۔ بدایوں

ماڈرن بکڈپو ۔ سبزی منڈی گیٹ ۔ بدایوں

اِنتساب

دادی مرحومہ کے نام

آسماں اُن کی لحد پر شبنم افشانی کرے

یہ کتاب فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی حکومت
اتر پردیش کے مالی تعاون سے شائع ہوئی۔

تعارف

راقم الحروف کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ جس موضوع پر قلم اُٹھایا جائے اس کے ساتھ پورا انصاف کیا جائے یہی ایک محقق کا پہلا فرض بھی ہے۔ ۱۹۸۷ء میں "تذکرہ غیر مسلم شعرائے بدایوں" کی اشاعت پر اسکا جس طرح خیر مقدم کیا گیا وہ میری امید سے کہیں زیادہ تھا۔ اس تذکرے پر معروف اہلِ قلم نے اپنی گراں قدر آراء سے نوازا اور ہندوستان کے بہت سے رسائل واخبارات میں تبصرے ہوئے۔ تمام مبصروں نے اس کی جامعیت کو تسلیم کیا یو۔پی اُردو اکادمی نے اس پر گراں قدر انعام بھی عنایت کیا۔

"تذکرہ شاعرات روہیل کھنڈ" کی ترتیب میں کتنی دشواری کا سامنا کرنا پڑا ہوگا اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس طرح کے کاموں سے وابستہ ہیں۔ شعراء کے مقابلے میں شاعرات کا تذکرہ لکھنا اور بھی مشکل ہوتا ہے خدا کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے ان مراحل سے گزرنے کا حوصلہ عطا کیا۔ ابتدا میں خیال تھا کہ روہیل کھنڈ میں چند شاعرات ہی دریافت ہو سکیں گی لیکن مجھے خوشی ہے کہ ۱۲۴ شاعرات سے تعارف کرانے میں کامیاب ہو رہا ہوں۔ یہ دعویٰ پھر بھی نہیں کیا جا سکتا کہ تمام شاعرات اس میں جگہ پا گئی ہیں۔ شاعرات کا ذکر حروفِ تہجی (تخلص کے اعتبار سے) کیا گیا ہے۔ مقدمہ میں شاعرات کی شاعری کا جائزہ اس دور سے لیا گیا ہے جب سے وہ اس میدان میں آئیں۔ اس کے علاوہ اس میں شاعرات کے اہم تذکروں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

میں جناب مبارک شمیم شاہجہانپوری، نشاط بیلی بھیتی، عشرت کرت پوری، شکیل جاوید امروہوی کی پُرخلوص معاونت کے لئے احسانمند ہوں۔ اس کے علاوہ ان تمام کتابوں کے مصنفین اور اخبارات ورسائل کے مدیران کا بھی شکر گزار ہوں جن سے کتاب کی ترتیب میں استفادہ کیا گیا ہے۔ ان کے حوالے درجِ کتاب ہیں۔ کتاب کی ترتیب میں والدِ محترم ذکی تالگانوی کی نگرانی اور برادرِ عزیز کامیاب ذکی کی کاوشیں میرے لئے قابلِ فخر ہیں۔

شاداب ذکی بدایونی

مقدمہ

ایک زمانہ تھا کہ عورت کو دُنیا کے تقریباً ہر خطے میں گری ہوئی
نظروں سے دیکھا جاتا تھا پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ بیوہ ہو جانے
پر جائداد کی طرح تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ شوہر کی وفات پر اس کی لاش کے ساتھ
زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ بازاروں میں جانوروں کی طرح اس کی خرید و فروخت ہوتی
تھی، مصر میں ہر سال دریائے نیل میں ایک دوشیزہ کی قربانی دی جاتی تھی۔ وید
یا دھارمک گرنتھوں کو وہ نہیں پڑھ سکتی تھی تعلیم سے اس کا رشتہ منقطع تھا۔ اُسے
گناہ کی ماں اور بدی کی جڑ کا نام دیا جاتا تھا۔ اور نہ جانے کتنی ایسی سزائیں تھیں
جنھیں وہ برداشت کر رہی تھی۔ اس طرح اس کی حیثیت صرف ایک داسی
یا لونڈی کی تھی۔ زمانے نے کروٹ لی اور عورت کے ساتھ جو ظلم و زیادتی ہو رہی
تھیں اُن کا خاتمہ ہونے لگا پیغمبر اسلامؐ نے اُسے سماج میں جائز حق دلایا۔ اس
کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تلقین کی۔ علم حاصل کرنا مرد و عورت پر یکساں
فرض کیا۔ قرآنِ کریم نے اعلان کیا کہ عورتیں مردوں کا لباس ہیں۔ اور مرد عورتوں
کا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ زندگی کی یہ گاڑی جس پہ ہم سوار ہیں۔ دو پہیوں سے
چل رہی ہے جس کا ایک پہیہ مرد اور دوسرا عورت ہے کوئی ایک پہیہ نکل جائے
تو گاڑی نہیں چل سکتی۔ دونوں کے بغیر ترقی کا خیال صرف خواب ہے۔

اگر انصاف سے دیکھا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہر ترقی یافتہ قوم کے
عروج اور اس کی ترقی میں عورتیں برابر کی شریک رہی ہیں۔ کسی قوم کے بنانے

میں اُن کا حصّہ مرد سے کم نہیں ہوتا۔ ماں کی گود میں بچہ وہ تعلیم حاصل کرتا ہے جو سالوں تک اسکولوں میں پڑھنے کے بعد بھی نہیں پا سکتا۔ بہن کی محبت اور اُس کی جاں نثاری بھائی کو راہِ حق میں سر کٹانے کا حوصلہ عطا کرتی ہے۔ بیوی کا اشتراکِ عمل، صحیح مشورہ اور حوصلہ افزائی زندگی کو خوشگوار اور با مقصد بنا دیتا ہے۔

گاندھی جی نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ عورت میں خدمت کا جذبہ مرد سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ زندگی کے مختلف شعبوں میں اُن کے کارہائے نمایاں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ یہاں دنیا کی چند ایسی خواتین کے نام درج کیے جاتے ہیں جنہیں زمانہ کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

حضرت مریم

عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ تھیں

حضرت آسیہؓ

فرعون کی بیوی تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی پرورش آپ نے ہی کی تھی۔

حضرت رابعہ بصری

(ف سنہ ۸۰۱ء مطابق سنہ ۱۸۵ھ)
انتہائی نیک خاتون تھیں۔

ملکہ نور جہاں

(ف سنہ ۱۶۴۵ء مطابق سنہ ۱۰۵۵ ہجری)
جہانگیر کی شریکِ حیات تھیں۔ نہایت سخی اور بہادر تھیں

چاند بی بی

(ف سنہ ۱۵۹۹ء مطابق سنہ ۱۰۰۸ ہجری) بہت دلیر بلند حوصلہ اور فنِ جنگ میں ماہر خاتون تھیں۔

میرابائی

ہندی کی معروف کرشن بھگت شاعرہ تھیں۔

رضیہ سلطانہ

التتمش کی بیٹی تھیں۔ پہلی مسلم خاتون تھیں جنھوں نے شاہی تاج پہنا۔

لکشمی بائی

جھانسی کی رانی تھیں۔ بہادر اور دلیر خاتون تھیں۔

اینی بسینٹ

سماجی خدمت کا جذبہ رکھتی تھیں۔

سروجنی نائیڈو

(فروری ۱۸۷۹ء تا ۱۹۴۹ء) معروف شاعرہ اور سماجی کارکن تھیں۔

میڈم کیوری

خاتون سائنسدان تھیں (۷ نومبر ۱۸۶۷ تا ۴ جولائی ۱۹۳۴ء)

اندرا گاندھی

سابق وزیر اعظم ہند۔ (۱۹ نومبر ۱۹۱۷ء تا ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۴ء)

مدر ٹریسا

نوبل انعام یافتہ معروف سماجی کارکن ہیں

یہ ایسی خواتین ہیں جن کے نام رہتی دنیا تک قائم رہیں گے۔ شیکسپیر نے کیا خوب کہا ہے کہ عورت خوشبو، نغمہ، رقص اور روشنی کا مجموعہ ہے۔

زبان وادب سے لگاؤ صرف مردوں کا ہی حصہ نہیں۔ ... کو بھی ایک زمانے سے ادب سے دلچسپی ہے۔ اردو زبان کی خدمات [illegible]

بیش بہا تخلیقات سے مزین ہے۔ اور وہ نظم و نثر میں یکساں طبع آزمائی کرتی رہی ہیں۔ شاعری کے علاوہ بحیثیت افسانہ نگار، ناول نگار، تذکرہ نگار کے بھی بڑی خدمت کر رہی ہیں۔ افسانوی ادب میں خواتین کی ایک بڑی تعداد نظر آتی ہے۔ اس میدان میں وہ مردوں سے کسی طرح پیچھے نہیں ہیں۔ ابتدائی دور کی افسانہ نگاروں میں "نذر سجاد حیدر، حجاب امتیاز علی، صغرا ہمایوں وغیرہ کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ ۱۹۳۶ء کے بعد افسانے کو نیا موڑ دینے والی خواتین میں، عصمت چغتائی، ڈاکٹر خورشید جہاں کے نام سر فہرست ہیں۔ اور دورِ حاضر میں شکیلہ اختر، ہاجرہ مسرور، خدیجہ مستور، جیلانی بانو، واجدہ تبسم، صالحہ عابد حسین، قرۃ العین حیدر وغیرہ نے اس فن کو وسعت عطا کی ہے۔ تنقید و تحقیق میں بھی ان کے نام آج یکساں طور پر نظر آتے ہیں۔ ممتاز شیریں، صفیہ اختر ڈاکٹر رضیہ سلطانہ، زرینہ ثانی، صالحہ عابد حسین، ڈاکٹر سعیدہ جعفر، ڈاکٹر شمیم نکہت وغیرہ کے نام اردو ادب میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔

اردو شاعری میں ہمیں خواتین کے نام ۱۸ ویں صدی عیسوی سے ملتے ہیں۔ اس زمانے میں متوسط طبقے کی خواتین طبع آزمائی کر رہی تھیں۔ لیکن ان کی صلاحیتوں کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ اس کی خاص وجہ ہماری سماجی قدریں تھیں۔ عالی نژاد خواتین اس طرف کم توجہ کرتی تھیں۔ شعر و شاعری سے زیادہ رغبت طوائفوں کو تھی۔ اس کے ثبوت کے لئے مولانا عبدالباری آسی کے تذکرہ "تذکرۃ الخواتین" کو دیکھا جا سکتا ہے۔ تمام تذکرہ انہیں کے ذکر سے پُر ہے۔ شریف خاندانوں میں عورتوں کا شعر کہنا ایک اخلاقی جرم تصور کیا جاتا تھا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اعلیٰ خاندانوں کی خواتین طبع آزمائی نہیں کر رہی تھیں۔ بلکہ ان کے اس رجحان کی ہمت افزائی نہیں کی گئی جس کی وجہ سے وہ شعر و سخن میں دلچسپی کا اظہار کرنے سے قاصر رہیں۔

ہماری شاعری ہمیشہ سے عشق و محبت کے تذکروں سے مالامال ہے۔

کلام میں عورت سے عشق و محبت کا خوب خوب ذکر ملتا ہے اور مرد اسے یعنی عورت کو مختلف ناموں سے خطاب کرتا ہے۔ اس کی نگاہ میں کہیں وہ پیکرِ مہر و وفا ہے تو کہیں بے وفا و ہرجائی۔ لیکن وہ کبھی یہ پسند نہیں کرتا کہ عورت شاعری کرے اسی وجہ سے وہ اُس کے احساسات کو ابھرنے اور پھولنے پھلنے کا موقع نہیں دیتا۔ شاعرات کے ساتھ یہ بے اعتنائی و ناانصافی ہمیشہ سے جاری رہی ہے۔ ہمارے مورّخ، ناقد اور تذکرہ نگار اس موضوع پر قلم اٹھانے سے کتراتے رہے ہیں۔ تذکرہ نگاروں نے شاعرات کے ذکر سے پرہیز کیا ہے۔ میر تقی میر جیسا شاعر جب "نکات الشعراء" لکھنے بیٹھے تو وہ کسی شاعرہ کا ذکر نہ کر سکا۔ حالانکہ انکی بیٹی بیگم[1] ایک قابل ذکر شاعرہ تھیں۔ شاعرات کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا گیا؟ کیا اُن کا کلام اس درجے کا نہیں ہے کہ جسے شعراء کے مقابلے میں لایا جا سکے؟ اگر یہ مان لیا جائے تو یہ بات بھی بلا جھجک کہی جا سکتی ہے کہ ہر شاعر میر، غالب، مومن، داغ، اقبال جیسا تو نہیں ہے لیکن پھر بھی اُن کے کلام اور حالات کی تحقیق کے لئے ہمارے محقق سرگرداں ہیں۔ کیا ہمیں دور کے اُردو شاعروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر لایا گیا کیا وہ سب اُن بڑے شعراء کے معیار کے تھے؟ ہاں ایسا ہی خواتین کے بارے میں بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اُن کے بارے میں تلاش و جستجو نہیں کی گئی۔ حالانکہ بقول مولانا آسی۔

"کوئی وجہ نہیں کہ صنف نازک جس کے جذبات
مردوں سے زیادہ نازک اور دلکش، جن کی زبان صاف

---

[1] میر کو اپنی بیٹی سے بہت محبت تھی۔ بیگم کا انتقال شادی کے چند روز بعد ہو گیا تھا۔ میر کا درج ذیل شعر اسی سانحہ کی یادگار ہے۔

اب آیا دھیان اے آرام جاں اس نامرادی میں
کفن دینا تمہیں بھولے تھے ہم اسبابِ شادی میں

(تذکرہ شاعرات اُردو)

شعرہ ۔ بے تصنع اور محفوظ ہے ۔ جن کے اکثر خیالات حیا کے
عطروں سے مہک رہے ہیں ۔ جن کے پہلوؤں میں مردوں سے
زیادہ دردمند اور جلد سے جلد متاثر ہونے والا دل ہے جنکی
صورت ، خو ، بو ، آواز ، چال ڈھال ، رفتار سب میں فطری
اور خلقی دلکشی ہے ۔ ان کے کلام میں کیوں نہ دلکشی ہوگی ۔ ہوگی
اور ضرور ہوگی ۔ [1]

سب سے پہلے مصحفی نے پھر نواب مصطفٰے خاں شیفتہ نے "گلشن بے خار"
میں چند شاعرات کا مختصر حال شامل کیا ۔ مولوی عبدالغفور نساخ نے "سخن شعرا"
میں بطور ضمیمہ چند شاعرات کا تذکرہ کیا ۔ اس کے بعد جو اہم تذکرے شاعرات
سے متعلق منظر عام پر آئے ۔ وہ درج ذیل ہیں ۔

گلدستۂ نازنیناں

یہ گلدستہ معروف تذکرہ نگار کریم الدین کی تالیف
ہے ۔ یہ سنہ ۱۸۴۵ء میں طبع ہوا ۔ اس میں پہلے ۲۰ شعرا کا ذکر ہے اور بعد میں شاعرات
کا ذکر مندرجہ ذیل تنبیہہ کے ساتھ کیا گیا ہے ۔

"واضح ہو کہ ہندوستان میں چونکہ بعضے عورتیں بھی شاعر
گذری ہیں ۔ اس لئے مناسب ہوا کہ تمام ہونے اشعار شعراء مذکورہ کے
کچھ حال ان کا بھی درج گلدستہ ہذا کیا جائے ۔"

اس گلدستہ کا جو نسخہ راقم الحروف کے کتب خانہ میں ہے وہ اکتوبر
۱۹۷۲ء میں طبع ہوا ہے ۔ اس کے مرتب احمر لاری اور عطا کاکوی ہیں ۔

---

[1] تذکرۃ الخواتین ۔

اذکارِ خواتین

اس تذکرے کی مصنفہ خدیجۃ النسا (ف ۱۳۲۹ھ) تھیں
یہ تذکرہ ۱۳۰۷ھ میں شائع ہوا۔ اس میں ۳۷ شاعرات کا ذکر ہے۔ آخر میں
بادِ اورِ تتمہ خدیجۃ النساء کے صاحبزادے مفتی محمد حسن نے اُن کے مختصر حالات لکھے ہیں
تذکرہ اذکارِ خواتین نہایت مختصر اور مجمل تذکرہ ہے۔ حالات دو چار جملوں
سے زیادہ نہیں ہیں۔ زیادہ تر شاعرات کے ایک دو شعر پیش کئے گئے ہیں۔
بقول جمیل بریلوی اس تذکرہ کا نسخہ شکستہ اور کرم خوردہ حالت میں کتب خانہ یادریہ
گوپامؤ میں دستیاب ہوا۔

تذکرہ چمن انداز و تذکرہ گلشن ناز

یہ دونوں تذکرے درگا پرشاد[1]
نادر کے تحریر کردہ ہیں۔

شمیمِ سخن

یہ شاعرات کا بہت مشہور تذکرہ ہے۔ اس کے مصنف
مولوی عبدالحی صفا بدایونی (متوفی ۱۹۱۴ء) تھے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ پہلے
حصے میں شعرا کا اور دوسرے میں شاعرات کا ذکر ہے۔ یہ تذکرہ ۱۸۷۳ء میں
شائع ہوا۔

۱۔ عبدالسلام خورشید نے اپنی کتاب "اردو کے ہندو شعرا" میں نادر کے بارے میں لکھا ہے کہ
قوم کے کھتری اور دہلی کے باشندے تھے۔ عمر بھر مجرد رہے اور اپنے اشعار اور تصانیف کو ہی اولاد
سمجھا۔ آپ نے پچاس کے قریب کتابیں لکھیں تھیں۔ فنِ عروض، ریاضی، جبر و مقابلہ اور جغرافیہ
کی کئی کتابیں تصنیف کیں۔ خاندانِ تیموریہ کا نسب نامہ فارسی میں مرتب کیا اس کے علاوہ آئینہ دکن کے
شعرا کا تذکرہ بنام گلدستۂ نادر الافکار اور شاعرہ عورتوں کے تذکرے چمن انداز اور گلشن ناز کے ناموں
سے لکھے۔ آپ مولوی امام بخش صہبائی اور مرزا قربان علی بیگ سالک کے شاگرد رہے۔

تذکرۃ الخواتین

یہ تذکرہ مولانا عبدالباری آسی نے ۱۹۲۷ء میں شائع کیا۔ اس میں اردو فارسی کی ۲۰۰ شاعرات کا کلام ہے جن میں ۸۶ طوائفیں ہیں۔ اس تذکرے پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے اویس احمد ادیب رقمطراز ہیں۔

"مولانا آسی نے بھی "تذکرۃ الخواتین" کے لکھنے میں تلاش اور کاوش سے کام نہیں لیا ہے۔ جو کچھ اُن کو تذکرہ شمیم سخن مرتبہ مولوی عبدالحی صاحب متخلص بہ صفا میں ملا۔ وہ محض الفاظ کا ہیر پھیر کر کے تذکرۃ الخواتین میں نقل کر دیا۔ مولانا آسی کو چاہئے تھا کہ وہ اس عہدِ جدید کی طبع شدہ کتاب کو جدید معلومات سے مزین کرتے۔ کیونکہ یہ کتاب غالباً ۱۹۲۷ء میں طبع ہوئی ہے اور تذکرہ شمیم سخن مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ سے ۱۸۹۱ء میں بارِ دوم شائع ہوا۔ اگر تلاش و جستجو کو دخل دیا جاتا تو ایک نہایت ہی شاندار تذکرہ لکھا جاتا۔"[1]

لیکن اس کے باوجود "تذکرۃ الخواتین" کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

شاعراتِ اردو

شاعرات کے تذکروں میں سب سے ضخیم ہے یہ ۸۳۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے مصنف جمیل بریلوی ہیں۔ اس میں ۶۱۹ شاعرات کا ذکر ہے ۱۹۴۴ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ اس میں بعض شاعرات کی تصاویر بھی دی گئی ہیں۔ اس میں شاعرات کے لئے اردو اسکول قائم کئے گئے ہیں (۱) موجدین (۲) شاعراتِ اردو کا دہلی اسکول (۳) شاعراتِ اردو

---

[1] تنقیدیں۔

کا لکھنؤ اسکول (۴) دورِ حاضر۔

محفلِ خواتین

اس کتاب کے مرتب فاروق محشر بدایونی[1] ہیں۔ یہ ۱۹۴۸ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں ۱۹۲۸ء سے ۱۹۴۷ء تک رسالہ "خاتونِ مشرق"، دہلی میں شائع ہونے والی خواتین کا کلام درج کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں ۲۸۸ صفحات ہیں۔

تذکرہ نسوانِ ہند

اس کے مرتب فصیح الدین بلخی ہیں۔ ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا تھا۔ اس میں قدیم زمانے سے تذکرے کی اشاعت تک ہندوستان کی نامور خواتین، شاعرات وغیرہ کے حالات مستند کتابوں کی روشنی میں تحریر کئے ہیں۔ اس کتاب میں ۲۸۶ شاعرات کا ذکر ہے۔

چاندنی اور پھول

پاکٹ سائز کا تذکرہ ہے جسے قمر سلطانہ نے ترتیب دیا ہے۔ اسے چار حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) رنگ رنگ کے آنچل (موجودہ دور کی اچھی شاعرات کی تخلیقات۔
(۲) مور پنکھ (نمائندہ شاعرات کی نمائندہ تخلیقات)
(۳) انگڑائیاں (اچھی شاعرات کے بہترین اشعار)
(۴) نقوشِ پا (قدیم شاعرات کے منتخب اشعار)

---

[1] فاروق محشر بدایونی اب کراچی پاکستان میں مقیم ہیں۔

بہارستانِ ناز

یہ تذکرہ ۱۹۶۵ء میں مجلس ترقی ادب، لاہور کے اہتمام سے شائع ہوا۔ اس کے مصنف حکیم فصیح الدین رنج تھے۔ اس تذکرے کو خلیل الرحمٰن داؤدی نے مرتب کر کے شائع کیا تھا۔ یہ تذکرہ ۲۷۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

آج کی شاعرات

یہ کتاب محرابِ ادب ۱۸۸۷، پی۔ آئی۔ بی کالونی کراچی سے ۱۹۷۳ء شائع ہوئی تھی۔ اس کی مرتبہ سلطانہ مہر ہیں۔ یہ کتاب ۲۰۷ صفحات پر مشتمل ہے۔

~~उर्दू की प्रसिद्ध हिन्दू कवयित्रियाँ~~ اُردو کی پرسدھ ہندو کویتریاں

اس ہندی تذکرے کے مصنف شاہ نصیر فریدی ہیں۔ بقول منوہر پرشاد ماتھر —— اس تذکرے میں کچھ تو عہدِ رفتہ کی یادگاریں ہیں۔ کچھ صاحبِ دیوان ہیں کچھ شوقیہ شعر کہنے والیاں ہیں اور دو چار ایسی لڑکیاں بھی ہیں جو شاید مستقبل میں نام کمائیں

اُردو ادب کی ترقی میں خواتین کا حصّہ

یہ کتاب ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ ریڈر اردو جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کی تحریر کردہ ہے۔ اس میں شاعرات کا ذکر ہے۔

پٹھان شاعرات کا تذکرہ

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ اس میں صرف پٹھان شاعرات کو شامل کیا گیا ہے۔ اس کے مولف ڈاکٹر خان محمد عاطف ہیں۔ یہ تذکرہ ۱۹۸۳ء میں منظرِ عام پر آیا۔

(نوٹ حاشیہ صفحہ ۲۳ پر ملاحظہ کریں)

ان تذکروں کے علاوہ بھی شاعرات کے تذکرے شائع ہوئے ہوں گے۔ ناظر کاکوروی نے اپنی کتاب "اُردو کے ہندو ادیب" میں ایک تذکرے کا ذکر کیا ہے مگر وہ شائع ہوا یا نہیں اس کا علم نہ ہو سکا۔ ناظر کاکوروی رقمطراز ہیں۔

"یہ سُن کر مسرت ہوئی کہ ملک کے مشہور مزاح نویس مسٹر شوکت تھانوی ایڈیٹر "شباب" کی رفیقہ حیات سعیدہ خاتون (شوکت دلہن) نے ایک تذکرہ محض خواتین کا مرتب کیا ہے .... غالباً ادب اردو میں اس سے بہت مفید اضافہ ہوگا۔"

یہاں یہ ذکر کرنا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ اردو کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ لطف النساء امتیاز تھیں، جن کا تعلق دکن سے تھا۔ خواتین کی ادبی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کیلئے کچھ رسائل بھی جاری ہوئے جن میں اوّلیت تہذیبِ نسواں کو حاصل ہے۔ اس کے علاوہ عصمت، جوہرِ نسواں، خاتونِ مشرق، حریم، بانو وغیرہ رسائل نے بہت شہرت حاصل کی۔

جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے کہ اردو شاعری میں خواتین کے نام سترہویں صدی عیسوی سے ملتے ہیں۔ شہزادی زیب النساء مخفی (۱۶۳۸ء تا ۱۷۰۱ء) فارسی کی مسلم الثبوت شاعرہ تھیں اس کے ساتھ ہی وہ اُردو میں بھی شعر کہتی تھیں۔ جس کی تصدیق موسیو گارسن دتاسی، صاحب "جلوہ خضر" اور نواب سید نصیر حسین خاں نے اپنی کتاب "مغل اور اُردو" میں کی ہے۔ نمونۂ کلام کے طور پر صرف تین شعر[1] اُن سے منسوب کئے جاتے ہیں یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

---

[1] یہ تینوں الگ الگ غزلوں کے مطلع ہیں۔

جُدا ہو مجھ سے مرا یار یہ خدا نہ کرے
خُدا کسی کے تئیں دوست سے جُدا نہ کرے

کہتے ہو تم گھر مرے آیا کرے کوئی
پر دل نہ رہ سکے تو بھلا کیا کرے کوئی

آ کر ہماری لاش پہ کیا یار کہہ چلے
خوابِ عدم سے فتنے کو بیدار کر چلے

چند تذکرۂ شاعرات[1] کے اشعار ملاحظہ کریں۔

بیگم — میر کی صاحبزادی تھیں۔

کچھ بے ادبی اور شبِ وصل نہیں کی
ہاں یار کے رُخسار پہ رُخسار تو رکھا

جینا بیگم — مرزا سودا سے اصلاح لیتی تھیں اور جہاندار شاہ بہادر کی محلِ خاص تھیں

آیا نہ کبھی خواب میں بھی وصل میسّر
کیا جانئے کس ساعتِ بد آنکھ لگی تھی

بسم اللہ — یہ منشی انعام اللہ خاں یقین کی شاگردہ تھیں۔ دہلی وطن تھا

نہ کیجے ناز حسنِ عارضی پر
نہ سمجھو یہ بہارِ بے خزاں ہے

نواب اختر محل — خاندانِ تیموریہ سے تھیں۔ ۱۸۷۶ء تک حیات تھیں

---

[1] تذکرہ شاعرات اردو۔

بڑی پُر گو شاعرہ تھیں ؎

اِک آہِ شعلہ بار سے دل کو جلا دیا
لو آج ہم نے اس کا بھی جھگڑا مٹا دیا

مبارک — شاہ نجم الدین صغیر خلف شاہ نصیر کی اہلیہ تھیں اور شاہ نصیر سے اصلاح لیتی تھیں۔ ۱۸۵۵ء میں حج سے مشرف ہوئیں اور وہیں مستقل قیام کیا ؎

مجھے کیا خوفِ حشر ہو مبارک دن قیامت کا
پکڑ لوں گی میں گوشہ دامنِ خاتونِ جنت کا

شوخ — اپنے وقت کی معروف شاعرہ تھیں۔ آپ کا ذکر "گلشنِ بے خار" اور "تذکرہ چمن انداز" میں ملتا ہے۔ ؎

اب خواب ہی میں وصل ترا ہووے تو ہووے
ظاہر میں تو ملنے کی کوئی آس نہیں ہے

نواب آصف الدولہ کی بیگمات میں بیگم جان عرف بہو بیگم "دلہن" شعر کہتی تھیں۔ واجد علی شاہ کی حرم قمر، صدر، عالم، محبوب، طبع آزما تھیں۔ صدر کا ایک شعر ملاحظہ کریں۔

حسرت و آرزوئے وصل، درد و مصیبتِ فراق
سب کا ہے لطف الگ الگ سب کا مزہ الگ الگ

یاسمین — سید انشا کی کنیز اور شاگردہ تھیں۔ اُن کا مشہور شعر ہے ؎

دُختِ رز سے رات صحبت گئی
شیخ جی کا مگر وضو نہ گیا

شیریں — فرماں روائے بھوپال نواب شاہجہاں بیگم کا تخلص تھا۔ صاحبِ دیوان تھیں ؎

جھوٹی قسموں کے دلاسے تو نہ دو شیریں کو ... دل بھی پھیرا ہے کبھی تم نے کسی کا لے کر

تیں ۔ مشاعروں کا اہتمام بڑے ذوق سے کرتی تھیں ۔ ۵

رات کو آئیں گے ہم صاف معمہ یہ ہے
وعدہ وصل کیا اس نے دکھا کر گیسو

ماضی کی بعض خواتین کے کلام میں رکیک اور مخرب الاخلاق اشعار بھی
کو ملتے ہیں ۔ حالانکہ ان شاعرات میں زیادہ تر طوائفیں تھیں پھر بھی
کی زبان سے اس طرح کے خیالات کا اظہار اچھا نہیں معلوم ہوتا ۔ شورش
نے شاعرات کے ان جذبات کی طرفداری کرتے ہوئے لکھا ہے ۔

"(ان) اشعار سے ایک صداقت آمیز مطابقت پیدا
ہوتی ہے ۔ اس لئے انہیں مخرب الاخلاق، رکیک اور مبتذل
کہا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ باتیں عورتوں کے منھ
سے اچھی نہیں لگتیں ۔ اگر مرد کی شاعری پر ایسا ہی اعتراض کیا
جائے تو بد ذوقی کہلائے گی ۔ صرف عورت پر معیار اور تعینات
کی قید لگانا کسی خاص تعلقدارانہ ذہنیت کی غمازی کرتا ہے ۔
شاعری تو وجدان اور الہام ہے ۔ قدسی جذبۂ تخلیق ہے تو
پھر ایسی پابندیوں میں کیسے ہو سکتی ہے ۔ "[1]

یہ درست ہے کہ مرد نے بھی اس طرح کے خیالات کا اظہار اپنے کلام میں
کیا ہے ۔ لیکن عورت تو شرم و حیا کا نام ہے ۔ وہ بلاشبہ اپنے جذبات کا
اظہار کرنے کی حقدار ہے ۔ لیکن ایسے جذبات جس سے اس کی "پاکی" پر حرف
آئے ۔ اس کی عظمت کو ٹھیس لگے مناسب نہیں معلوم ہوتے ۔ بطور نمونہ اس

---

[1] نیا دور لکھنؤ ۔

طرح کے اشعار ملاحظہ کریں ؎

قسمت میں ہماری نہ ہوا ہائے صد افسوس
اک روز لپٹ کر شبِ مہتاب میں سونا۔ (دلبر)

اجل جو حسرت بوس و کنار میں آئی
چمٹ کے لاش کو قاتل نے خوب پیار کیا (زینت)

جان جاتی ہے تمہارے ہجر میں اب لپٹ جاؤ خدا کے واسطے
(زہرہ)

اُن سے کہدو کہ ہمیں تم سے یہ اُمید نہ تھی
وعدہ ہم سے ہو رہو غیر کے گھر وصل کی رات۔ (منی بائی حجاب)

ہم تڑپتے ہیں تو ہنس ہنس کے یہ فرماتے ہیں
کیا ہوا تھا یہ ترا دردِ جگر وصل کی رات (خورشید)

وصل کی شب ہو گا کیا حاصل ہمیں جو ناز سے
جب تلک تم بند کھولو گے سحر ہو جائے گی (کنیز)

لجا کر شرم کھا کر مسکرا کر دیا بوسہ مگر کچھ منہ بنا کر
(گوہر)

دختر رز سے رات صحبت تھی
شیخ جی کا مگر وضو نہ گیا۔
(یاسمن)

کچھ بے ادبی اور شبِ وصل نہیں کی
ہاں، یار کے رُخسار پر رخسار تو رکھا

(بیگم)

منھ سے بُو لو تو سہی کا ہے کی گھبراہٹ ہے
بات کی بات میں ہوتی ہے سحر وصل کی رات

(نازؔ)

تم سے اللہ رکھے اپنی اماں میں تم تو
اپنی پریوں کو بھی دیوانہ بنا دیتے ہو

(ذلیلؔ)

آج زمانہ ترقی کی جانب مائل ہے اس عہدِ جدید نے خواتین کی صلاحیتوں کو پھولنے پھلنے کا پورا موقع فراہم کیا ہے۔ آج ہماری شاعرات مردوں کے دوش بدوش چل رہی ہیں۔ ان کا کلام اخبارات ورسائل میں بھی شائع ہو رہا ہے اور وہ مشاعروں میں شرکت کر رہی ہیں۔ اُن کی فکر و نظر میں گہرائی و گیرائی ہے۔ ان کی انگلیاں حالاتِ زمانہ کی نبض پر ہیں وہ جانتی ہیں کہ انہیں کس طرح کی شاعری کرنا ہے۔ ان کے کلام میں محبت کے نغمے بھی سنائی دیتے ہیں اور ظلم کے خلاف آوازیں بھی۔ اُن کے لہجے میں جو مٹھاس و تری ہے وہی اُن کی شاعری کی جان ہے۔ وہ شاعری کی جملہ اصناف غزل، نظم، گیت، دوہے، آزاد نظم، نثری نظم وغیرہ میں اپنے قلم کے جوہر دکھا رہی ہیں۔ آج ضرورت ہے کہ اُن کی خدمات کا اعتراف کیا جائے آج شاعری کے اُفق پر جن شاعرات کے نام چمک رہے ہیں ان میں ادا جعفری فہمیدہ ریاض، پروین شاکر، مسعودہ حیات، ساجدہ زیدی، کشور ناہید زاہدہ زیدی، عزیز بانو داراب وفا، رفیعہ شبنم عابدی، ممتاز مرزا، جمیلہ بانو اہم ہیں روہیل کھنڈ کا علاقہ صدیوں سے باکمالوں کے لئے مشہور رہا ہے۔

یہاں کی فضا شعر و ادب کے لئے بھی ہمیشہ ساز گار رہی ہے۔ ملک گیر شہرت رکھنے والے لاتعداد شعراء و ادباء کے نام سے زمانہ متعارف ہے۔ یہ علاقہ مندرجہ ذیل سات اضلاع پر مشتمل ہے۔

(۱) بدایوں (۲) بریلی (۳) بجنور (۴) پیلی بھیت (۵) رامپور (۶) شاہجہاں پور (۷) مرادآباد

ہر ضلع کا مختصر تعارف یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

بدایوں

بدایوں کی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ خطہ علماء، فضلاء و ادباء و شعراء کا مرکز رہا ہے۔ بدایوں مختلف زمانوں میں الگ الگ ناموں سے مشہور رہا ہے اور متعدد حکمرانوں نے اسے اپنا دارالامارت بنایا ہے۔ حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کی پیدائش کا شرف اسی سرزمین کو حاصل ہے۔

شعر و ادب کے میدان میں بھی اس کی عظمت مسلم ہے۔ شیخ شہاب الدین مہمرہ اور خواجہ ضیاء الدین نخشبی اسی سرزمین میں آرام فرما ہیں۔ شعراء کی بڑی تعداد نے اردو زبان کی خدمت کی ہے۔ فانی اور شکیل کے نام کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔

بریلی

بریلی روہیل کھنڈ کا معروف ضلع ہے۔ جسے کمشنری ہونے کا بھی فخر حاصل ہے۔ یہاں کے تاریخی آثار اس کی قدامت کا پتہ دیتے ہیں اہلسنت والجماعت کے معروف عالم مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کا وطن بھی بریلی ہے۔ شعر و ادب کے میدان میں بھی یہ ضلع کبھی پیچھے نہیں رہا ہے۔ آج بھی وسیم بریلوی کی آواز ہندوستان کے بڑے بڑے مشاعروں میں بریلی کی نمائندگی کرتی ہے۔

بجنور اس ضلع کا ذکر تیمور یہ حملے کے وقت سے ملتا ہے۔ اس علاقہ کو نواب علی نے ۱۷۴۸ء میں اپنے علاقہ میں شامل کیا تھا۔ یہاں کے قصبات میں نجیب آباد، کیرت پور، چاند پور، ہلدور وغیرہ اہم ہیں۔ یہاں کے شعراء داد بار نے بہت نام کیا یا۔ قائم چاند پوری میر کے معاصرین میں تھے۔ ماضی کے معروف اہل قلم میں ڈپٹی نذیر احمد، عبدالرحمٰن بجنوری، تاجور نجیب آبادی سجاد حیدر یلدرم۔ ہیں۔ دورِ حاضر میں اختر الایمان۔ قرۃ العین حیدر، رفعت سروش کوثر چاند پوری، عشرت کیرت پوری کے نام کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں

پیلی بھیت یہ ضلع ترائی کے علاقے میں آباد ہے۔ اس کا ذکر کیا یوں کی تاریخ میں بھی ملتا ہے۔ بقول لطیف حسین ادیب۔

" ۱۷۴۲ء میں نواب علی محمد خاں نے راجہ ہرنندن کو شکست دینے کے بعد پانندہ خاں کو پیلی بھیت کے زمیندار دیس پت بخارے کو مغلوب کرنے کیلئے بھیجا۔ پانندہ خاں کی فتح پانے کے بعد ۱۷۴۵ء میں تمام مفتوحہ علاقہ نواب حافظ رحمت خاں کو جاگیر میں دے دیا۔"

یہاں کے شعراء میں اصغر جہاں آبادی نے بہت نام پیدا کیا۔ حافظ پیلی بھیتی بھی بڑے نامور شاعر تھے۔ آج بھی شعر و ادب کی محفلیں آراستہ ہوتی ہیں۔

رامپور رام پور کو نواب فیض اللہ خاں کے بھتیجے نواب مصطفےٰ خاں نے رامپورہ نام کے ایک گاؤں میں آباد کیا اور اس کا نام مصطفےٰ آباد رکھا مگر یہ نام مشہور نہ ہو سکا۔ اور رامپور میں تبدیل ہو کر مشہور ہوا۔ رامپور اپنی علمی و ادبی خدمات کیلئے بہت مشہور رہا ہے۔ یہاں کی رضا لائبریری ادبی دنیا میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ یہاں

کے شعراء میں رسا رامپوری، نجم الغنی، آثر رامپوری، شاد عارفی وغیرہ کے نام عزت واحترام سے لئے جاتے ہیں۔

شاہجہاں پور

شاہجہانپور کو بادشاہ شاہجہاں کے عہد میں دلیر خاں نے آباد کیا تھا۔ اس کا قدیم نام گنگا درگہ تھا۔ دوسرا قدیمی نام کیٹھر ہے۔ یہاں کی خاک سے بڑے بڑے علماء، خدا پرست صوفی، شہسوار، شاعر اور اہل ہنر پیدا ہوئے۔ بقول مصنف تاریخ شاہجہانپور "شعرائے شاہجہانپور میں لالہ سب سکھ رائے مسرور پہلا شخص ہے جس نے شاعری کی یہاں طرح ڈالی۔ اور نواب غلام حسین خاں نے اس کو فروغ دیا۔ اس طبقہ میں جس قدر شعراء ہوئے ہیں وہ فارسی گو تھے۔ حتیٰ کہ ہندو شعراء ہندی اور فارسی دونوں زبانوں میں کہتے تھے مگر اردو کی ہمہ گیری نے ہندی اور فارسی کو رفتہ رفتہ خارج کر کے خود قبضہ کر لیا ہے"۔ ماضی قریب کے شعراء میں، بحر تلمیذ داغ اور دل تلمیذ امیر اینائی نے بڑی شہرت حاصل کی۔

مرادآباد

مرادآباد اپنے برتنوں کی وجہ سے دنیا کے بڑے حصے میں جانا جاتا ہے اسے پانچال حکومت میں شمار کیا جاتا ہے۔ "اخبار الصنادید" میں مولانا نجم الغنی نے لکھا ہے کہ "مرادآباد اور اس کے حوالی میں بہت تہذیب یافتہ آدمی سنہ ایک ہزار عیسوی سے پہلے موجود تھے"۔

شاہجہاں کے عہد میں نواب رستم خاں نے راجہ رام سکھ کٹھیر کو شکست دے کر اس علاقہ پر قبضہ کیا اور اس کا نام رستم آباد رکھا۔ جو بعد کو شہزادہ مراد بخش کے نام پہ مرادآباد میں تبدیل ہو گیا۔ اس ضلع کی معروف بستیوں میں امروہہ اور سنبھل ہیں۔ یہ ضلع اپنی ادبی خدمات کیلئے بھی بہت مشہور ہے۔ جبکہ اس ضلع

کے معروف شاعر تھے۔ قمر، کیف وغیرہ نے بھی بہت شہرت حاصل کی۔

روہیل کھنڈ کی شاعرات کی شاعری کا اجمالی جائزہ لینے کی غرض سے یہاں پر ماضی اور حال کی چند نمائندہ شاعرات کا تذکرہ کرنا نامناسب نہ ہوگا۔

روہیل کھنڈ کی مرحوم شاعرات میں بعض نے بہت شہرت حاصل کی۔ "تذکرۃ الخواتین" اور "شاعراتِ اردو" میں یہاں کی شاعرات کا ذکر ملتا ہے۔ النوری جہاں بیگم حجاب اپنے وقت کی معروف شاعرہ تھیں۔ انہیں جلال لکھنوی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ مشاعروں میں شرکت کرتی تھیں۔ اور پردے میں رہ کر کلام سناتی تھیں۔ انہوں نے مرزا داغ دہلوی کے ساتھ بھی مشاعرے پڑھے تھے۔ حسن وعشق کے مضامین کو بڑی خوش اسلوبی سے نظم کرتی تھیں۔ ایک شعر دیکھیں ؎

جگر میں درد لب پر نالۂ وحشت اثر ہونا
عیاں کرتا ہے اک رشکِ پری کا دل میں گھر ہونا

جہاں آباد ضلع پیلی بھیت کی شاعرہ فرخ جہاں کا فر کا ذکر مولانا آسی نے اپنے تذکرے میں کیا ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ کریں ؎

اٹھتی نہیں نگاہیں شرم اے گناہِ الفت
ہم اُن سے کہہ رہے ہیں کافر حجاب اُلٹا

درخشاں آرا، بجنور کی معروف شاعرہ تھیں۔ "شاعراتِ اردو" میں جمیل بریلوی نے انہیں شامل کیا ہے۔ ایک شعر بطور نمونہ پیش ہے ؎

ہوئی محفلِ شوق تاریک میری
تجھے دل میں جلوہ نما چاہتی ہوں

نور جہاں نور اور رسول جہاں مخفی بدایونی دونوں حقیقی بہنیں تھیں۔ اور صاحبِ دیوان تھیں۔ نور کے کلام پر ملک کے مقتدر اہلِ قلم کی آرا ملتی ہیں

دونوں بہنوں کو غزل، نظم پر یکساں قدرت حاصل تھی۔ دونوں کا ایک ایک شعر ملاحظہ کریں۔

جس میں مرضی ہو تری اپنی رضا بھی ہے وہی
خود پرستی ہو، محبت کا یہ دستور نہیں (نورؔ)

دیکھ جاؤ مرے مرنے کا تماشہ تم بھی
آخری باب ہے یہ زیست کے افسانے کا (مخفیؔ)

پنہاںؔ بریلوی اپنے وقت کی معروف شاعرہ تھیں۔ آپ کی کئی اور بہنیں بھی شعر کہتی تھیں۔ ایک کتاب بعنوان "اشکِ خونیں" شائع ہوئی تھی۔ پاکستان میں انتقال کیا۔ بطور نمونہ ایک شعر پیش ہے ؎

کارواں کب نزدِ منزل آگیا
آستاں پر کیوں ہجومِ عام ہے

نور الصباح نورؔ والی ریاستِ شیر پور ضلع پیلی بھیت کی اہلیہ تھیں اپنے وقت کی معروف سیاسی، سماجی اور ادبی شخصیت تھیں۔ نظم و نثر کی ایک درجن کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔ کلام میں ہجر و فراق کے واقعات کا ذکر خوب ملتا ہے ؎

آؤ پھر اک بے وفا کے پیار کی باتیں کریں
بے سبب روٹھے ہوئے دلدار کی باتیں کریں

راج ماتا رفعت زمانی بیگم عصمتؔ رام پوری بھی شاعری کا ستھرا ذوق رکھتی تھیں۔ ان کی مشہور غزل کا مقطع ہے ؎

فخرِ خاتونِ ہند ہے عصمتؔ
ہم سے پوچھے کوئی وفا کیا ہے

دورِ جدید میں یہاں کی شاعرات نے جو شہرت حاصل کی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ آج اُن کا کلام اخبارات اور رسائل میں بھی شائع ہو رہا ہے اور وہ مشاعروں میں بھی شرکت کر رہی ہیں۔ وہ اپنے خوبصورت اور دل کو چھو لینے والے اشعار کی بدولت دادِ سخن لے رہی ہیں۔

ادا جعفری بدایونی انڈو پاک کی سینیئر شاعرہ ہیں۔ اُن کے کلام کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ وہ غزل نظم میں یکساں طبع آزمائی کرتی ہیں۔ اُن کا ایک خوبصورت شعر ملاحظہ کریں ؎

چہروں کا رنگ دیکھ لو نگاہوں کی بات سُن
وہ بے زبان نہیں جو ترے ہم زباں نہیں

زہرہ نگاہ بدایونی عہدِ جدید کی معروف شاعرہ ہیں وہ اپنے مخصوص لہجے کی وجہ سے پہچانی جاتی ہیں۔ انداز بیاں رنگین ہے ؎

دلوں کے زخم چھپا کر ہنسی کو عام کرو
یہ حکم ہے کہ بہاروں کا احترام کرو

مسعودہ جہاں انجم بریلوی کا شمار بزرگ شاعرات میں ہوتا ہے۔ ایک زمانہ تھا وہ ملک کے بڑے بڑے مشاعروں میں شریک ہوتی تھیں ــــ بطورِ نمونہ ایک شعر پیش ہے ؎

سرمد و منصور و شبلی ڈھونڈتے ہیں گھر مرا
جب سے میں نے دردِ عالم دردِ جاناں کر دیا

کشور آرا شبنم رامپوری یکساں طور پر رسائل و مشاعروں میں نظر آتی ہیں ان کی غزل کے اس شعر سے لطف اٹھائیں ؎

عشق کی دھوپ میں تپتی ہوئی دنیا میری
تیرے سائے میں کوئی شام سہانی مانگے

مسعودہ حیات کی غزلیں سادگی و پرکاری کا اچھا نمونہ ہیں ؎

ھزاروں درد سمیٹے ہوئے ہوں اک دل میں
بکھر گئی جو تری داستاں تو کیا ہو گا

روہیل کھنڈ کی جن شاعرات کا کلام اکثر رسائل میں نظر آتا ہے۔ ان میں ایک اہم نام سیدہ شان معراج کا بھی ہے انھوں نے جدید شاعرات میں اپنی پہچان بنائی ہے۔ ؎

مرے اپنے حسد رکھتے ہیں مجھ سے
مری دشمن مری اچھائیاں ہیں

آج ملک و بیرونِ ملک کے بڑے بڑے مشاعروں میں تسنیم صدیقی مرادآبادی روہیل کھنڈ کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ان کی مشہور غزل کا شعر ہے ؎

میں کہ خوشبو ہوں تو مہکوں گی ضرور
لاکھ پھولوں میں چھپا دے مجھ کو

آخر میں چند اور شاعرات کے اشعار ملاحظہ کریں۔

حق کی خاطر مرنے والے کر گئے ایسا اثر
ہر زباں پر آفریں صد آفریں آ جائے گا

(کشور سلطانہ کرتپوری)

شاید ملے گا راہ میں پھر کوئی کارواں
اک شکل کہہ رہی ہے یہ گردِ غبار کی

(رابعہ بریلوی)

دونوں جہاں کا بارِ غم کس سے اٹھے گا اے خدا
یا غمِ زندگی نہ دے یا غمِ عاشقی نہ دے

(ذکیہ سلطانہ نیر)

یہ صلہ بے گناہی کا اچھا ملا ہیں تعاقب میں اب مرے رسوائیاں

(نجمہ عزیز)

پھر آسماں کی بھینٹ چڑھا ہے کوئی پرند
اُڑتے ہوئے ہواؤں میں پر دیکھتی ہوں میں

(نزہت نگار)

اس مختصر جائزے کی روشنی میں یہ اعتراف کرنا ہی پڑتا ہے کہ روہیلکھنڈ کی شاعرات دوسرے علاقوں کی شاعرات سے کسی طرح پیچھے نہیں ہیں۔

شاداب ذکی بدایونی

(حاشیہ صفحہ ۱۶ کا)

[۱] اخبار "ہماری زبان" کی مارچ ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں (اس وقت یہ اخبار علی گڑھ سے شائع ہوتا تھا اور اس کے مدیر پروفیسر آل احمد سرور تھے) منوہر پرشاد ماتھر کا ایک مضمون "ہندو خواتین اور اردو شاعری" شائع ہوا تھا جس میں ماتھر نے اس تذکرے کا ذکر کیا ہے۔

اختر جہاں نام اور اختر تخلص ہے۔ محلہ سید باڑہ بدایوں کی رہنے والی ہیں۔ انجم فوقی بدایونی (مقیم کراچی) کے تلامذہ میں شامل ہیں۔ اس نسبت سے تخلص کے ساتھ "انجمی" کا اضافہ کرتی ہیں۔ تعلیم ایم۔ اے بی ٹی ہے محکمۂ تعلیم سے وابستہ ہیں۔ کلام میں سادگی و سلاست ہے

نمونۂ کلام

غم ہی شے و بہ مسرت ہو گئی
جب کہا اُن سے محبت ہو گئی

ختم لب تکمیلِ الفت ہو گئی
ہنس کے بولے اتنی جرأت ہو گئی

عشق کی غارت گری جو کچھ بھی ہو
زندگی کی قدر و قیمت ہو گئی

دیکھ کر مجھ کو طلب گارِ وفا
بے نیازی اُن کی عادت ہو گئی

اسطرح بھی میں نے دیکھا حسنِ دوست
دیکھنے والوں کو حیرت ہو گئی

آہ کے پردے میں اور تو ہین عشق
آج اے اختر قیامت ہو گئی

ماخذ۔ تعمیر (ہفت روزہ بدایوں۔ ۸ جنوری ۱۹۵۵ء)

سرزمینِ بدایوں نے جن قابلِ ذکر شاعرات کو جنم دیا ہے اُن میں ادا جعفری کا نام بھی شامل ہے۔ عزیز جہاں بیگم نام اور ادا تخلص کرتی ہیں۔ والد

کا نام قاضی بدرالحسن تھا جو محکمۂ زراعت میں سپرنٹنڈنٹ تھے۔ اداؔ جعفری ۲۲ اگست ۱۹۲۴ء کو بدایوں میں پیدا ہوئیں۔ ۱۹۴۷ء میں ہائی اسکول کیا آزادی کے بعد ترکِ وطن کرکے پاکستان چلی گئیں۔ آپ کے شوہر نورالحسن جعفری پاکستان میں کسی اعلیٰ عہدے پر فائز رہے ہیں۔

شاعری کا شوق بچپن سے ہے۔ ابتدا میں (۱۹۳۸ء تک) اخترؔ شیرانی سے مشورۂ سخن کیا۔ پھر جعفر علی خاں اثرؔ لکھنوی سے اصلاح لینے لگیں اثرؔ لکھنوی نے ۱۹۴۱ء میں فارغ الاصلاح کردیا۔ اداؔ جعفری عہدِ حاضر کی ایک ممتاز شاعرہ ہیں۔ آپ کو زبان و بیان پر قدرت حاصل ہے جس کی وجہ سے کلام میں سلاست و شستگی اور روانی ہے۔ آپ کی شاعری تجربات و مشاہدات کا آئینہ ہے منظر نگاری میں کمال حاصل ہے۔ کلام میں کہیں کہیں اخترؔ شیرانی کا رنگ نظر آتا ہے بعض نظمیں رومان پرور ہیں۔ غزل و نظم میں یکساں طبع آزمائی کرتی ہیں

اداؔ جعفری کے مندرجہ ذیل شعری مجموعے طبع ہو چکے ہیں۔

(۱) میں ساز ڈھونڈتی رہی

یہ شعری مجموعہ ۱۹۵۰ء میں طبع ہوا۔ اس کا پیشِ لفظ معروف ادیب قاضی عبدالغفار نے تحریر کیا ہے وہ ان کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ " جدید ادب و شعر کے معماروں کی صفِ اول میں اداؔ بدایونی کا نام اور کام بہت نمایاں ہے۔ "

(۲) شہرِ درد

بقول فیض احمد فیضؔ ۔ ۔ اداؔ بدایونی جو ساز ڈھونڈ رہی تھیں غالباً اب اداؔ جعفری کو "شہرِ درد" میں ہاتھ آگیا ہے۔ یہ دیوان ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا۔

(۳) غزالاں تم تو واقف ہو

ادا جعفری کا یہ تیسرا شعری مجموعہ ہے جو ۱۹۷۴ء میں طبع ہوا۔

(۴) ساز سخن بہانہ ہے

یہ دیوان ۱۹۸۲ء میں منظرِ عام پر آیا۔

(۵) سازِ سخن

یہ ادا جعفری کے مندرجہ بالا چاروں شعری مجموعوں کا انتخاب ہے جو مئی ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا ہے۔ اس انتخاب پر حمایت علی شاعر کا تعارف ہے۔ ادا جعفری نے "چند باتیں" کے عنوان سے تحریر کیا ہے۔

"میں ساز ڈھونڈتی رہی، سے ساز سخن بہانہ ہے تک — بات اتنی ہی ہے کہ اس راہ میں ذوقِ سفر تھکتا نہیں۔ یہاں تو ہر موڑ پر ایک نئی دنیا سے تعارف ہوتا ہے۔"

نمونہ کلام

غزلیات:-

دلوں کی عرضِ تمنا کو اور کیا کہنا
کبھی کرن، کبھی شبنم، کبھی دعا کہنا

چلے جہاں سے مسافر وہ گھر کا آنگن تھا
جہاں پہ تھک کے گریں اسکو نقشِ پا کہنا

یہ میرے عہد کی یا خود مری کہانی ہے
جو دست رس سے ہو باہر اُسے خدا کہنا

بھنور سے پوچھو ادا اب کے ساحلوں کا پتہ
نہ راس آیا سفینے کو ناخدا کہنا!!!

کیا بوجھ تھا اسکو اٹھائے ہوئے تھے لوگ — مڑ کر کسی کی سمت کوئی دیکھتا نہ تھا
کچھ اتنی روشنی میں تھے چہروں کے آئینے — دل اسکو ڈھونڈتا تھا جسے جانتا نہ تھا
کچھ لوگ شرمسار خدا جانے کیوں ہوئے — اپنے سوا ہمیں تو کسی سے گلا نہ تھا

یارب مجھے بتا کہ مرے عہد کا مسیح — اپنی صلیب آپ کہاں تک اٹھائیگا

جادۂ تمنّا سے دار کی بلندی تک — جانے والے جانتے ہیں فاصلہ ہی کتنا تھا
ہم نے سونپ دی اسکو کائناتِ جاں اپنی — وہ خدا نہ تھا لیکن کس قدر اکیلا تھا

یہ ویرانیاں دلوں کی بھی کچھ کم نہ تھیں ادا
کیا ڈھونڈنے گئے ہیں مسافر خلاؤں میں

جوش کہاں تڑپ کہاں لذتِ جستجو کہاں — ملنے کو وہ تو مل گئے ان کی اب آرزو کہاں
دل تھا تو لاکھ جلوے تھے دل جو نہیں تو کچھ نہیں — آنے کو آئیگی بہار دعوتِ رنگ و بو کہاں

اس دورِ بیوفا میں یقیں کس کو آئے گا — ہم تو لہو کے رنگ کو رنگِ حنا کہیں
آنکھیں اداس اداس ہیں چہرہ بجھا بجھا — شامِ فراق پھر بھی اسے مرحبا کہیں

خونِ وفا کو لوحِ مقدر کی مان لوں — قتلِ انا کو حادثۂ ناگہاں کہوں

دیوار سے ڈھائے نہ گئے درد کے رشتے — اب بھی غمِ ہجراں کے طلبگار بہت ہیں

چہروں کا رنگ دیکھ نگاہوں کی بات سن — وہ بے زباں نہیں جو ترے ہم زباں نہیں

کچھ سوچ کے کہنا کہ ہمیں حرفِ تسلی
تازہ ہو اگر زخم، پیکاں سا لگے ہے
سونپی گئی ہر دولتِ بیدار سی اس کو
یہ دل جو ہمیں آج بھی نادان سا لگے ہے

گفتار میں بے ساختہ پن اب بھی وہی ہے
چپ ہیں تب تابِ سخن اب بھی وہی ہے
لفظوں کے تراشیدہ صنم چھپتے نہیں ہیں
لہجے کی درخشندہ کرن اب بھی وہی ہے

تم اس دیار میں انساں کو ڈھونڈتی ہو کہاں
وفا ملے تو بہ احساسِ مجرمانہ ملے

ایک موہوم اضطراب سا ہے
ایک تلاطم سا پیچ و تاب سا ہے

کس لئے بڑھتا ہے رنگِ لالہ و گل
یہ قبا کس بدن کو راس آئی
جتنے چہرے ہیں میرے چہرے ہیں
آئینے آئینے سے آنچ آئی

صبحِ زنداں میں بھی ہوتی ہوگی
پھول مقتل میں بھی کھلتے ہوں گے
اجنبی شہر میں اپنوں سے ادا
اتفاقاً بھی تو ملتے ہوں گے

بہت دنوں تو ہواؤں کا ہم نے رخ دیکھا
بڑے دنوں میں متاعِ قلم کو پہچانے

نظم "تنہا مجھے رہنے دے"

دل میں غمِ الفت کو مستور ہی رہنے دے
مجبورِ محبت کو مجبور ہی رہنے دے
امید کی دنیا کو بے نور ہی رہنے دے
معصوم محبت کو مستور ہی رہنے دے
جس حال میں بھی میں ہوں، تنہا مجھے رہنے دے

اک پریم پجارن کو سنسار سے کیا مطلب — مدہوشِ محبت کو ہوشیار سے کیا مطلب
بیگانۂ دنیا کو آزار سے کیا مطلب — دیوانۂ فطرت کو فنکار سے کیا مطلب
جس حال میں بھی میں ہوں، تنہا مجھے رہنے دے

امید کی خرمن کو آہوں سے جلانا کیا — شمعِ رہِ منزل کو اشکوں سے بجھانا کیا
خوابیدہ تمنا کو نالوں سے جگانا کیا — معیارِ محبت کو نظروں سے گرانا کیا
جس حال میں بھی میں ہوں، تنہا مجھے رہنے دے

"یادِ ماضی" سے

جھرمٹ میں ستاروں کے ہے مہتابِ درخشاں — پہلو میں ہے یادِ ماضی سوزاں کے شرارے
تاروں کی طرح میرے تصور میں ہیں روشن — وہ دن جو کبھی دوست کے پہلو میں گزارے
اظہارِ محبت میں بھی اک طرزِ تغافل — پھر طرزِ تغافل میں توجہ کے اشارے
میرے مہِ تاباں سے ادا کون یہ پوچھے — تنہا کوئی کب تک شبِ مہتاب گزارے

"عیدِ نظارہ" سے

مژدہ نگاہِ شوق کہ عیدِ نظارہ ہے — پلکیں کسی کی راہ گذر میں بچھاؤں میں
آمد ہے آج ایک سراپا بہار کی — سو طرح غمکدے کو بھی اپنے سجاؤں میں

"کرمکِ شب تاب" (قطعہ)

شبِ سیاہ میں روشن ہے شمع جگنو کی — دیا غریب کا جس طرح ٹمٹماتا ہوا
ہوا کے دوش پہ رقصاں ہے پنکھڑی گل کی — رکا ہوا سرِ مژگاں ہے قطرہ آنسو کا
فضائے ساکن و تیرہ میں جس طرح کوئی — لرز رہا ہو فلک سے گرا ہوا تارا

ہزار کے خوف سے یا ایک لمحہ کو جیسے — گناہگار کے دل میں خیال رحمت کا

تخلص: ماہنامہ کتاب نما، جولائی ۱۹۸۸ء وہ آپ ہیں حصہ اول۔ شاعراتِ اردو۔

ارچنا

ارچنا مصرا نام اور ارچنا تخلص ہے۔ والد ماجد کا نام پرمود کمار رای ہے ارچنا ۲۴ فروری ۱۹۶۶ء کو محلہ منیر خاں پیلی بھیت میں پیدا ہوئیں۔ تعلیم بی۔ اے۔ ایل ایل بی تک ہے۔ قصبہ بھٹورا کلاں (ضلع پیلی بھیت) کے مانٹسری اسکول میں پرنسپل ہیں۔ ابھی غیر شادی شدہ ہیں۔

ارچنا کو شاعری وراثہ میں ملی ہے۔ آپ کے والد کے علاوہ دادا کنور بہادر اجنبی بھی شاعر تھے۔ اجنبی مرحوم قصبہ کٹرہ ضلع شاہجہاںپور کے رہنے والے تھے۔ ضلع پیلی بھیت میں محکمۂ تعلیم کی ملازمت کے سلسلے میں آئے تھے۔ بعد میں یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ ارچنا پیلی بھیت کے معروف شاعر نشاط پیلی بھیتی کی شاگردہ ہیں۔ حالانکہ ارچنا کی شاعری کی عمر ابھی بہت کم ہے لیکن ان کی تخلیقات کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مستقبل قریب میں نام پیدا کریں گی۔ کلام ترنم سے پڑھتی ہیں۔

نمونۂ کلام

نظم "جہیز"[1]

یاد اپنی بیٹی کی ان کو کیوں نہ آئی ہے — ظالموں نے جب مل کر اک کلی جلائی ہے

---

[1] یہ نظم ارچنا کی پہلی تخلیق ہے۔ ان کی شاعری کا محرک شادی کا سلسلہ ہوا۔ جب ان کے والدین سے جہیز کا مطالبہ کیا گیا۔ ارچنا نے شادی نہیں کی۔

چوڑیاں نئی اس کی جوڑے بھی نہ لا سکے ہاتھ پاؤں کی مہدی بھی تو چھٹ نہ پائی ہے
وہ بھی پارسا معصوم اس کو کیا خبر یہ تھی سیج اک سہاگن کی موت نے سجائی ہے
کیسا یہ تماشا ہے اے خدا کہوں کس سے ڈولی والے ہاتھوں نے ارتھی اب اٹھائی ہے
آنکھ ماں کی روتی ہے باپ ہو گیا پاگل بھائیوں کے ہاتھوں کی سونی اب کلائی ہے

جان ارچنا جس نے دی جہیز پر اپنے
موت کی بھی آنکھ اس کے ظلم پر بھر آئی ہے

رہزن ملے ہیں قافلے والوں کی شکل میں
تاریکیاں ہوں جیسے اجالوں کی شکل میں
ہے جستجو انہیں کی مرے دل کو آج بھی
ملتے رہے جو میرے خیالوں کی شکل میں
اے کاش اب بھی سمجھیں حقیقت شناس لوگ
افسانے رہ گئے ہیں رسالوں کی شکل میں
جب جب بھی میں جوابِ وفا ڈھونڈنے چلی
پایا ہر ایک چہرہ سوالوں کی شکل میں
جب سے ہوئی ہے شاعری ہمراز ارچنا
ہے شام بھی سحر کے اجالوں کی شکل میں

ہم زندگی کی راہ میں مجبور ہو گئے تیرے بغیر تھک کے بہت چور ہو گئے
خوددار ہیں انا کو سنبھالے ہوئے مگر دنیا سمجھ رہی ہے کہ مغرور ہو گئے
ہیں کتنے بدنصیب وہ گمنام لوگ بھی جب حادثہ ہوا کوئی مشہور ہو گئے
روشن تھی جن چراغوں سے دنیائے زندگی تم کیا گئے کہ وہ بھی تو بے نور ہو گئے

جن چراغوں سے دل میں نہ ہو روشنی — ہے یہ بہتر کہ اُن کو بجھا دیجئے
ار چنا درد درکار ہے یا خوشی — ان مسائل پہ خود فیصلہ دیجئے

بچھڑا وہ بیچ راہ میں کیسا نصیب ہے — ہم تو سمجھ رہے تھے کہ منزل قریب ہے
وعدہ کیا تھا اس نے نہ توڑیں گے دل کبھی — لیکن بتائیں کیا یہ زمانہ عجیب ہے

ماخذ :۔ بشکریہ جناب نشاط پیلی بھیتی۔

آرم

قمر قدیر نام آرم تخلص ہے۔ ۲۰ فروری ۱۹۵۶ء کو الحاج عبد القدیر مراد آبادی کے یہاں پیدا ہوئیں۔ جو مراد آباد کے چیرمین رہ چکے ہیں۔ آرم نے ایم۔ اے کے بعد فائن آرٹ کا ڈپلومہ حاصل کیا۔ شفیق انصاری کے ساتھ شادی ہوئی جو ایک کامیاب وکیل ہیں۔

آرم کی پرورش ایسے گھر میں ہوئی جہاں شعر وادب کا ذکر عام تھا۔ والد کے یہاں مقامی نشستوں کا اہتمام خوب ہوتا تھا۔ ۱۹۷۰ء سے باقاعدہ شعر کہنا شروع کیا۔ اور وحشی مراد آبادی سے اصلاح لینے لگیں۔ اس کے بعد قمر مراد آبادی، رائش حیدری اور دلشاد برزمی سے بھی فیض اصلاح اٹھایا۔ شعر بھی کہتی ہیں اور افسانے بھی لکھتی ہیں۔ آپ کی تخلیقات رسائل واخبارات میں بھی شائع ہوتی رہتی ہیں۔ ایک کتاب "چراغ شہر جگر کے" ۱۹۸۲ء میں طبع ہو چکی ہے۔ کئی مقامی انجمنوں سے وابستہ ہیں۔

---

[1] یہ مراد آباد کے شعراء کا تذکرہ ہے۔

نمونہ کلام

جس کو خودی نے صاحبِ عرفاں بنادیا ‌ ‌ ‌ اُسکو خدا نے مظہرِ یزداں بنا دیا
دیوانگانِ عشق نے وہ کام بھی کیا ‌ ‌ ‌ دانشورانِ دہر کو حیراں بنا دیا
آسان ہوگئی ہے ہراک مشکلِ حیات ‌ ‌ ‌ ہر غم کو عشق نے غمِ جاناں بنا دیا
اُن کی نوازشوں کے طریقے عجیب ہیں ‌ ‌ ‌ مجھ جیسی کم سخن کو غزل خواں بنا دیا
اس کی نگاہِ ناز کے قربان جائیے ‌ ‌ ‌ ذرّہ کو جس نے مہرِ درخشاں بنا دیا

لب وا ہوئے تو پھول برسنے لگے ارم
وہ مسکرا دیئے تو گلستاں بنا دیا

عظمتیں شہرِ جگر کی یوں بڑھا دی جائیں گی
علم و فن کی ہر طرف شمع جلا دی جائیں گی
یہ خبر کیا تھی تبسم درد میں ڈھل جائے گا
آنسوؤں کی شکل میں خوشیاں بہا دی جائینگی
جسم و جاں آسودۂ ارماں تو کیا ہوگئی مگر
حسرتوں کے خون سے لاشیں سجا دی جائینگی
دور جانے کیلئے اک پل ہی کافی ہے ارم
پاس آنے میں مگر صدیاں لگا دی جائینگی

ہزار غم ہیں مگر مسکرا رہے ہیں ہم ‌ ‌ ‌ حقیقتوں کو فسانہ بنا رہے ہیں ہم
کسی کی آنکھ میں کانٹوں کیطرح چبھتے ہیں ‌ ‌ ‌ کسی کے گوشۂ دل میں سما رہے ہیں ہم

زندگی میں غم کی جب تک چاشنی آتی نہیں
زندگی ہرگز شعورِ زندگی پاتی نہیں

دھڑکنیں دل کی مرے سونے نہیں دیتیں مجھے
نیند ٹکراتی ہے آنکھوں سے مگر آتی نہیں

بدگماں اُن سے مجھے کرنے کی کوشش ہے بہت
وہ تو یہ کہیئے کہ میں خود اتنی جذباتی نہیں

جگمگا اٹھتی ہیں جگنو بن کے کچھ یادیں ارم
میرے ویرانے میں ورنہ روشنی آتی نہیں

آفاق

ملکہ آفاق زمانی بیگم نام۔ منجھو بی عرفیت اور آفاق تخلص تھا۔ والد ماجد صاحبزادہ صابر علی خاں ریاست ٹونک کے نواب خاندان کے فرد ہونے کے ساتھ ساتھ اُن کی رام پور کے نواب خاندان سے بھی قریبی رشتہ داری تھی۔ اور آپ کی والدہ ملکہ جہاں بیگم مرادآبادی تھیں۔ جن کے بطن سے "تین صاحبزادیاں ملکہ فیروز بیگم، ملکہ آفاق زمانی بیگم، اور ملکہ اشفاق زمانی بیگم عرف اچھی بی تھیں۔ راز مرادآبادی جو جگر مرادآبادی کے شاگردِ رشید تھے۔ ملکہ اشفاق زمانی کے ہی پسر تھے۔ آفاق زمانی بیگم کی ولادت بقول سعادت علی صدیقی انیسویں صدی کی نویں دہائی میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر دستور کے مطابق ہوئی۔ بعدہٗ ذاتی ذوق کی بنا پر مطالعہ کر کے اُردو و فارسی پر دسترس حاصل کی۔ ۱۹۰۵ء میں آپ کی بڑی بہن فیروز بیگم کی شادی صاحبزادہ شفیع الدین خاں سے ہوئی جو سنبھل کے تھے۔ اور آفاق بیگم کی شادی بہنوئی کے

چچا زاد بھائی صاحبزادہ محمد شیر علی خاں عرف پیارے میاں سے ہوئی مگر صرف دو سال میں ہی اختلافات بڑھتے گئے اور وہ اپنی والدہ کے پاس چلی گئیں

شاعری سے لگاؤ گھر کے ماحول کی وجہ سے تھا کیونکہ آپ کے والد صابر علی خاں صاحب دیوان شاعر تھے۔ ان کا دیوان "شاخِ نبات" الموسوم بہ دیوانِ صابر ۱۹۳۶ء میں چھپا تھا۔ بڑی بہن فیروز زمانی بیگم بھی شاعری کا عمدہ ذوق رکھتی تھیں۔ پہلے والد کے یہاں منعقد ہونے والے مشاعروں اور پھر بہنوئی باغ سنبھلی کے دولت خانہ پر ہونے والی ادبی محفلوں نے فکر کو اور بلندی عطا کی۔ اس پر امیر الشعراء سید اظفر حسین منتظر امروہوی کی شاگردی نے مزید پختگی بخشی اور بقول ڈاکٹر سعادت علی۔

"آفاق کا کلام حسنِ بیان اور طرزِ اسلوب کا مرقع بن گیا"

آفاق کا شعری مجموعہ "تخیلِ آفاق" الموسوم بہ "باغِ دلکشا" ۱۳۵۸ھ (سنہ ۱۹۴۰ء) میں شائع ہوا۔ اس وقت وہ سنبھل میں ہی مقیم تھیں۔ کوئی اولاد نہیں تھی اس لئے انہوں نے اپنے کلام کو اولاد کا درجہ دیتے ہوئے کتاب میں لکھا ہے

"چونکہ میں لاولد ہوں، اس خیال نے مجبور کیا کہ اپنا کلام جو اولاد کا حکم رکھتا ہے اور جگر پارہ ہوتا ہے جمع کرکے چھپوادوں تاکہ عزیز و اقارب کے پاس یادگار باقی رہے۔"

آفاق بیگم نے خاصی طویل عمر پائی۔ ۱۹۷۵ء میں ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی جس کے علاج کے لئے مرادآباد چلی آئی تھیں مگر کوئی خاص فائدہ نہ ہوا۔ معذور ہو گئی تھیں۔ ۲۳ نومبر ۱۹۸۳ء کو انتقال ہوا اور مرادآباد میں دفن ہوئیں۔ سنہ ۱۹۴۰ء میں دیوان شائع ہونے کے بعد سے وفات تک کہا ہوا اُن کا کلام نہ تو کہیں شائع ہوا اور نہ ہی کسی نے سنا جو یقیناً ان کے متعلقین کے پاس محفوظ ہوگا۔ اُن کے کلام کی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے سید منتخب حسین نقوی لکھتے ہیں۔

"سلاستِ زبان، تخیل کی بلندی، اور ہر مضمون کو نئے لباس میں پیش کرنا آفاق کی خصوصیت ہے ۔۔۔ اکثر مقامات پر سہل ممتنع کی کوشش بھی کی گئی ہے اس پر مستزاد یہ کہ آفاق نے ہر جگہ اس بات کی کوشش کی ہے کہ وہ اپنے اصلی جذبات سے پرہیز کریں۔ صنفِ نازک کے جذبات سے ہٹ کر جگہ جگہ صنفِ قوی کے جذبات کا اظہار کیا گیا ہے جو عورتوں کے لئے اسی طرح مشکل ہے جس طرح ہم مردوں کو عورتوں کے جذبات کی تصویر کشی ۔"

نمونۂ کلام

اشعارِ نعت

غمِ فرقت میں اس اُمید پر رہتی ہیں بند آنکھیں
نظر آجائے شاید چہرۂ زیبا محمدؐ کا
نہ جانے کیوں قرار آتا نہ تھا عرشِ الٰہی کو
ہوا قائم قلم نے جب لکھا نام محمدؐ کا

اشعارِ غزلیات

اُن سے اظہارِ مدعا نہ کیا — کیا کیا میں نے ہائے کیا نہ کیا
بے وفا کوئی کیوں کہے اسکو — اس نے وعدہ کیا کیا نہ کیا

اک رسم ہے جس کو کہ ادا کرتی ہے دنیا — میت پہ کسی شخص کا احساں نہیں ہوتا

یارِ عشق میں تنہا رہے نہ ہم ہر گز　　خوشی نے ہاتھ جو چھوڑا تو غم نے تھام لیا

اس قدر تیز ہے شباب کی دھوپ　　جیسے بھادوں میں آفتاب کی دھوپ

کاٹتا ہوں پہاڑ سی راتیں　　اب وہ شیریں ہیں اور میں فرہاد

قطعہ

بے کسی کی ہو سکے تمہید کیا
نا امیدوں کو بھلا امید کیا
دردِ فرقت دل کو ہے گھیرے ہوئے
تم ہی بتلاؤ ہماری عید کیا

ماخذ :- ماہنامہ نیا دور (دسمبر ۱۹۷۶ء) ایک قادر الکلام شاعرہ، از۔ ڈاکٹر سعادت علی صدیقی

افتخار

افتخار بیگم بدایوں کے معروف خاندان کی فرد ہیں۔ یہ خاندان دیگر خصوصیات کے علاوہ علم و ادب کے لئے بھی بہت مشہور رہا ہے۔ آپ جون ۱۹۳۷ء میں پیدا ہوئیں۔ والد کا نام اقبال احمد تھا۔ خاندانی رواج کے مطابق تعلیم کی ابتدا کلام پاک سے ہوئی اس کے بعد گھر پر رہ کر اردو پڑھی۔ آزادی کے بعد آپ کا خاندان علی گڑھ چلا گیا۔ جہاں آپ کے بڑے بھائی پروفیسر ظفر احمد علی گڑھ یونیورسٹی میں پروفیسر تھے۔ علی گڑھ میں آپ کی تعلیم باقاعدہ شروع ہوئی لیکن کالج جانے پر اب بھی پابندی تھی۔ اس لئے پرائیوٹ طور پر ہائی اسکول انٹرمیجیٹ

اور پھر بی۔ اے کیا۔ ۱۹۵۴ء میں آپ کی شادی معروف ادیب و شاعر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی سے ہوئی۔ جو آپ کے ماموں پروفیسر ضیا احمد بدایونی کے فرزند ہیں۔ شادی کے بعد کچھ عرصے تعلیم کا سلسلہ بند رہا۔ ۱۹۶۰ء میں دہلی یونیورسٹی سے اردو میں ایم۔ اے کیا۔ اس کے بعد ۱۹۶۰ء میں آپ کا تقرر علی گڑھ خواتین کے کالج میں ہوگیا۔ اس دوران ۱۹۷۷ء میں آپ نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی۔ ۱۹۷۷ء سے ہی ذاکر حسین کالج دہلی میں بحیثیت استاد خدمت انجام دے رہی ہیں۔

شعروادب کا ذوق آپ کے خاندان میں عام بات ہے۔ آپ کے بڑے بھائی اظہر کمالی اپنے مخصوص لہجے کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں آپ میں ابتدا سے شعر کہنے کا ذوق ہے اچھی شاعرہ ہونے کے ساتھ ایک اچھی ادیبہ بھی ہیں۔ کئی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ جن میں "شرح کلیاتِ فانی" کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ آپ نے آفتاب احمد جوہر بدایونی کا دیوان مرتب کرکے شائع کرایا۔

نمونہ کلام

نظم تیری آواز۔

سیکڑوں میل سے آتی ہوئی تیری آواز
دل کی بے چینی کو کچھ اور بڑھا دیتی ہے
جیسے بیساکھ کی ترسی ہوئی دھرتی کی پیاس
اور بڑھ جاتی ہے ساون کی خنک پھوار کے بعد
جیسے گھنگھور گھنی رات میں بجلی کی چمک
تیز کر دیتی ہے ماحول کی تاریکی کو
جیسے ویرانوں میں قمری کی صداؤں کی گونج
کرتی ہے دشت کے سناٹے کو کچھ اور فزوں

جیسے بوُ یوسفِ گم گشتہ کے پیراہن کی
دامنِ صبر کو یعقوب کے کر دیتی ہے چاک
توڑ کر عقل و سیاست کے ہر اک بندھن کو
اس طرح دل تجھے پانے کو مچل جاتا ہے
چھوڑ کر سارے کھلونے کوئی بچہ جیسے
چاند کو ہاتھ لگانے کو مچل جاتا ہے

مدینہ منورہ کے سفر میں کہے گئے اشعار

خاکِ طیبہ تجھے آنکھوں سے لگالوں اپنی
جانے ان راہوں پہ پھر میرا گزر ہو کہ نہ ہو
زندگی بھر کی قضا آج ادا ہو جائے
پھر میسّر پئے سجدہ ترا در ہو کہ نہ ہو
اے دعاؤ دُرِ مقصود سے دامن بھر لو
اتنا نزدیک کبھی بابِ اثر ہو کہ نہ ہو

غزلیہ اشعار

کارگاہِ ہستی ہے یا کہ عرصۂ محشر
اتنی بھیڑ ہے پھر بھی ہے ہر اک بشر تنہا
ہر طرف سے انساں پر یوں غموں کی یورش ہے
زد میں آندھیوں کی ہو جیسے اک شجر تنہا
دیکھیں وقت کا منصف کس کو حق پہ ٹھہرائے
اس کے ساتھ عالم ہے اور ہم اِدھر تنہا

ماخذ:۔ تذکرہ شعرائے بدایوں

افضل

افضل خاتون نام عرفیت اقدس النساء تھی۔ بقول شہید بدایونی۔ متولی خاندان کی خاتون معلوم ہوتی ہیں۔ آپ کی ایک کتاب "افضل الذکر" مسماتی ہے۔ یہ کتاب "میلاد شریف" کی ہے۔ اس میں انہوں نے مجاہدالدین ذاکر بدایونی کا نعتیہ کلام شامل کیا ہے۔ کتاب کے شروع میں حمد اور آخر میں مناجات افضل خاتون نے خود تحریر کی ہے۔ یہاں نمونہ کلام کے طور پر مناجات کے کچھ اشعار پیش ہیں۔

لہ محمد مجاہدالدین نام۔ ذاکر تخلص تھا۔ والد کا نام بارزالدین تھا خاندان متولیان سے تھے۔ ۱۷ ذالحجہ ۱۲۵۱ھ مطابق ۱۸۳۵ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد قرآن پاک حفظ کیا۔ مولوی شاہ آلِ رسول مارہروی سے بیعت حاصل کی۔ لکھنؤ میں حکیم غلام دستگیر فرخ آبادی سے تکمیل طب کی۔ شاعری میں خواجہ بہادر حسین خاں فراق تلمیذ ناسخ کے شاگرد ہوئے بعد میں نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ سے بھی مشورۂ سخن کیا۔ عاشقِ رسول تھے۔ محفلِ میلاد کا بہت شوق تھا اپنے ایک مکان کو نبی خانہ کا نام دیا آج تک وہ نبی خانہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں ربیع الاول میں بارہ دن متواتر محفلِ میلاد منعقد ہوتی تھی۔ تصنیف و تالیف کا بے حد شوق تھا چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) تنبیہ المخلوق ۱۲۷۷ھ اس میں شاہ اچھے میاں کے حالات ہیں

(۲) تنویر المحافل۔ ۱۲۸۳ھ منظوم معجزات نبوی

(۳) نخلہ قریشی ۔ ۱۳۰۵ھ۔ نسب نامہ متولیان

(۴) ذریعہ نجات۔ ۱۳۰۷ھ۔ دیوانِ اول

(۵) تہذیب المحافل ۱۳۰۸ھ آداب و طریق محافلِ مولود شریف

(۶) بیاض الحکمت ۱۳۱۲ھ تشخیص و معالجے کے ذاتی تجربے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

نمونۂ کلام (افضل)

دعائیہ اشعار

یا الٰہی بحقِ پیغمبرؐ — بخش میرے گناہ سر تا سر
اور مرے والدین کے اللہ — بخش دے سربسر خدایا گناہ
اور جو ہیں مرے عزیز و قریب — کر انہیں روزی اور رزق نصیب
قرض داروں کا قرض ہو وے ادا — اور قیدی ہوں قیدِ غم سے رہا
اور جو جو ہیں آئے محفل میں — اُن کی خواہش نہ کچھ رہے دل میں
اے خدا صدقۂ جناب بتولؓ — ہوں نہ دنیا میں وہ حزین و ملول
ہو نہ عقبیٰ میں مجھ کو کوئی غم — اے خدا از پئے شفیعِ امم
میرے ماں باپ اور بہن بھائی — ہیں محمدؐ کے سب یہ شیدائی
کوئی آفت نہ ان پہ آنے پائے — چشمِ پیرِ فلک نظر نہ لگائے
اس چمن کے نہ پھول مرجھائیں — پانی پی پی کے خوب لہرائیں
آخری بس یہ ہے دعا مولیٰ — پاؤں منھ مانگا مدعا مولیٰ

آ۔ک۔ بیگم

آ۔ک۔ بیگم بدایوں کے متوسل خاندان کی پردہ نشین خاتون تھیں۔ افضل

(باقی حواشی)

(۷) مظہر الاسلام۔ سنہ ۱۳۱۶ھ حالات رسول کریمؐ

(۸) دیوان ثانی سنہ ۱۳۲۲ھ نعت و منقبت۔

ذاکر بدایونی نے ۲۴ صفر سنہ ۱۳۳۴ھ مطابق ۶ جنوری سنہ ۱۹۱۶ء کو وفات پائی۔

شادابؔ

کی بہن تھیں۔ "افضل الذکر"[1] پر آ۔ک بیگم کا قطعۂ تاریخ ملتا ہے اس کے علاوہ اور کہیں نمونۂ کلام دستیاب نہیں ہوسکا اور زیادہ حالات بھی نہ مل سکے۔

نمونۂ کلام

بہن اچھی طبیعت ہے تمہاری ۔۔۔ زباں دانی کا عالم میں ہے شہرا
لکھی ہے تم نے جو نعتِ پیمبر ۔۔۔ جزاک اللّٰہ فی الدارینِ خیرا
کروں اوصاف کیا اُسکے بیاں میں ۔۔۔ کہ کوزے میں کیا ہے بند دریا
کوئی تاریخ لکھوں میں بھی اِس کی ۔۔۔ یہ مدت سے مرا دل چاہتا تھا

ندائے غیب آئی مجھ کو، کہہ دے
لکھا اچھا رسالہ نعت شاہ کا
۱۳۱۸ھ

[1] "افضل الذکر" کتاب کو افضل خاتون نے ترتیب تھا۔

انجم

زاہدہ انجم نام۔ انجم تخلص ہے۔ آپ صمد انصاری مرادآبادی کی اہلیہ اور قمر قدیر ارم کی چچی ہیں۔ کراچی پاکستان میں مقیم ہیں۔ شاعری کی ابتدار ۱۹۵۷ء میں ہوئی۔ مولوی بشیر احمد سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ "گل احساس" کے نام سے ایک شعری مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔

نمونۂ کلام

پرچھائیوں کے شہر زمیں پر بسا دیئے ۔۔۔ بدلی ہٹا کے چاند نے جنگل سجا دیئے
کتنے ہی دائروں میں بٹا مرکزِ خیال ۔۔۔ اِک بت کے ہم نے سیکڑوں پیکر بنا دیئے

ٹوٹے کسی طرح تو فضاؤں کا یہ جمود
آندھی رکی تو ہم نے نشیمن جلا دیئے

بازی تو ہم نے آج بھی ہاری نہیں حضور
نظریں بچا کے آپ نے مہرے اٹھا دیئے

انجمؔ لبوں میں جذب ہوئیں تلخیاں تمام
مرجھا گئی بہار جو ہم مسکرا دیئے

کیسی نظرِ عنایت کہاں کا کرم
زندگی ان فریبوں کو ٹھکرا گئی

مسکرانے لگے سارے زخمِ جگر
دل کی دنیا میں یوں بھی بہار آ گئی

ہر نئے موڑ پر تھک گئی جستجو
منزلوں پر بھٹکنے لگا کارواں

جگمگاتے ہیں شمس و قمر آج بھی
تیرگی راہ گذاروں پہ کیوں چھا گئی

بند یوں ہی افق کے دریچے رہے
سسکتی رہیں یوں ہی تنہائیاں

تھک گئی رات لے لے کے انگڑائیاں
جھلملاتے ستاروں کو نیند آ گئی

کس نے بامِ تصور سے آواز دی
بج اٹھیں دفعتاً جیسے شہنائیاں

تیری یادوں کی رنگیں نویلی دلہن
اپنی تنہائیوں سے بھی شرما گئی

تھم نہ جائیں کہیں منتظر ساعتیں
ٹوٹ جائے نہ انجمؔ طلسمِ وفا

بجھ گئے آ کے پلکوں پہ جلتے دیئے
لو چراغِ تمنا کی تھرّا گئی

ماخذ :- "چراغ شہر جگر کے"

بھو بیگم

ان کا ذکر "شاعراتِ اردو"، اور "چمن انداز" میں ملتا ہے۔ بقول مولف "شاعراتِ اردو"۔

"بھو بیگم خطاب تھا۔ نواب یوسف علی خاں والی رامپور کی محلِ خاص تھیں۔ شعر کہنے کا فطری ذوق تھا۔ باکمال خاتون تھیں۔ تذکرہ "چمن انداز" میں ان کے یہ دو شعر ملتے ہیں۔

شب بزم ملاقات میں ہر چند یہ چاہا
آنکھیں تو لڑاؤں ذرا اس رشکِ قمر سے

پر خوف یہی دل میں مرے آیا کہ ہے ہے
نازک ہے یہ دب جائے کہیں تارِ نظر سے

بیگم ڈاکٹر محمد افضال حسین

نام و تخلص دریافت نہ ہو سکا۔ آپ بدایوں کے معروف گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ کے شوہر ڈاکٹر محمد افضال حسین قادری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں پروفیسر تھے۔ موصوف نے جوؤں کے دماغ پر ریسرچ کی تھی ان کی کوٹھی محلہ سوتھا بدایوں جمّی چوک پر ہے جس میں اب حاجی منظفر مرحوم کے خاندان کے لوگ رہتے ہیں۔ آزادی کے بعد ڈاکٹر افضال پاکستان چلے گئے تھے ڈاکٹر محمد افضال حسین کی بیگم کی ایک نظم "ماں کی لاڈ" کے عنوان سے "محفلِ خواتین" میں ہے۔ اس کے علاوہ کلام نہ مل سکا۔

نمونۂ کلام

"ماں"

میں نے چکھا ہی نہیں لطف و محبت کا مزا
میں سدا آغوشِ مادر سے رہی ناآشنا

میں نے دیکھی ہی نہیں لطف و عنایت کی نظر
مجھ تلک تو بھی نہیں دامانِ مادر کی ہوا

جانتی ہی میں نہیں ہوں نازِ طفلِ بے خرد
گرچہ مچلیں میرے دل میں آرزوئیں بارہا

میں یہ سنتی ہوں کہ ماں بھی چیز ہوتی ہے کوئی
رنج و غم میں ہمدم و مونس رفیق و ہمنوا

یہ بھی سنتی ہوں کہ ہے وہ عیش و عشرت کی بہار
اس کے دامن تک نہیں آتی خزاں کی بھی ہوا

اس سے پوچھو یہ حقیقت جو ہے اس سے باخبر
میں نے کچھ دیکھا نہیں ہاں اک ہے واقعہ

آہ! لیکن آنکھ نے اس کا مزہ چکھا نہیں
دوسروں سے یہ سنا ہے میں نے خود دیکھا نہیں

پروین

مشتری بیگم نام اور پروین تخلص تھا۔ والد ماجد کا نام مولوی محمد یٰسین تھا۔ جو بریلی کے مشہور علما میں تھے۔ نسبتاً فاروقی تھیں اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کی اولاد سے تھیں۔

پروین نہ صرف ایک مشہور خانوادہ علم سے تعلق رکھتی تھیں بلکہ آپ خود بھی علم و بصیرت کے اعتبار سے نمونہ تھیں۔

علومِ مشرق کی اعلیٰ اسناد پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کی تھیں۔ علومِ عربیہ میں بھی خاصی دستگاہ رکھتی تھیں۔ پروین بڑی ذی ہوش خاتون تھیں شاعری کا پاکیزہ ذوق تھا اردو کے علاوہ فارسی میں بھی شعر کہتی تھیں۔ کلام مشاعروں میں ترنم سے پڑھتی تھیں۔ اندازِ شعر خوانی بہت

خوب تھا۔ آپ نے انجمن دارالادب بریلی کے زیر اہتمام ۱۱ فروری ۱۹۴۵ء کو ہونے والے مشاعرہ میں شرکت کی تھی

نمونۂ کلام

نظم "عورت کی عظمت"

مرے احساں ہی احساں ہیں ان دنیا والوں پر
مری عظمت کا سکہ آج بھی ہے آسمانوں پر
جہاں میں نام آور آج تک جتنے بھی گذرے ہیں
تجھے معلوم ہے وہ سب مری گودوں کے پالے ہیں
وہ رستم، نام سے جس کے کہ اک دنیا لرزتی تھی
بس اُس کے واسطے کافی مری، ہلکی سی جھڑکی تھی
ذرا سی بات پر جو جان سے اپنی گذرتے تھے
مری چشم کرم کے رات دن خواہاں وہ رہتے تھے
مری ہی ذات سے اس کو ہوئی تعلیم یہ حاصل
وہ لقماں جس کی حکمت کا زمانہ آج ہے قائل
وہ ہستی جس نے اک دنیا کے اوپر بادشاہت کی
کبھی جو یا تھی طفلی میں فقط میری عنایت کی

ماخذ: "گلدستہ بہار سخن" غیر مطبوعہ

پروین

پروین بدایوں کی رہنے والی تھیں۔ اسم گرامی زینت پروین تھا۔ باوجود تلاش و کوشش کے آپ کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا

آپ کی نظم جو بطور نمونہ کلام پیش ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اخلاقی و اصلاحی مضامین نظم کرنے میں خاصی دلچسپی رکھتی تھیں۔ زبان و بیان میں سادگی پائی جاتی ہے۔

نمونہ کلام

معصوم بچیوں سے خطاب

صنعتِ صانعِ قدرت کا کرشمہ تم ہو — حسنِ معصوم کا معصوم نمونہ تم ہو
سارے گھر کیلئے دلچسپ تماشہ تم ہو — پر ہیں واقف ابھی یوں کہ ناواقفِ دنیا تم ہو

اس لئے فرض ہے مجھ پر کہ دعا دوں تم کو
اور پھر عالمِ دنیا بھی دکھا دوں تم کو

چادرِ فاطمہ زہراؑ کا ہو سایہ تم پر — پرتوِ عصمتِ مریمؑ ہو ہمیشہ تم پر
نظرِ خاصۂ خاصاں ہو خدایا تم پر — لطفِ باری تعالیٰ ہو ہمیشہ تم پر

قوم کی اپنی روایات تمہیں یاد رہیں
فاطمہ بی بیؑ کی عادات تمہیں یاد رہیں

گلشنِ علم کی نوخیز کلی بن کے رہو — درِ انجم کی شعاعِ ازلی بن کے رہو
صفحۂ زیست کا عنوانِ جلی بن کے رہو — اپنے بیگانوں کی نظروں میں بھلی بن کے رہو

حسنِ انوار سے تسخیر دوبالا ہو جائے
نورِ عادات سے گھر بھر میں اجالا ہو جائے

ماخذ "شاعراتِ اردو" از جمیل بریلوی صفحہ ۲۸۳

پنہاںؔ

پنہاں کا تعلق بریلی کے ایک شریف و ممتاز اور تعلیم یافتہ خاندان

خوب۔ وہ متشرع پردہ نشین اور دیندار خاتون تھیں۔ اسم گرامی سپہر آرا خاتون عرفیت رابعہ اور تخلص پنہاں تھا۔ آپ کے والد مولوی عبدالاحد ڈی۔ پی ئی آفس الہ آباد میں سپرنٹنڈنٹ تھے۔ پنہاں کی پیدائش ۷ اگست ۱۹۰۷ء[1] بمقام سہارنپور ہوئی۔ فارسی، اردو اور انگریزی کی تعلیم اپنے والد سے گھر پر حاصل کی۔ اُن کی شادی جنوری ۱۹۲۸ء میں صوفی صغیر حسن ایم۔ اے بی ٹی پرنسپل اسلامیہ کالج الہ آباد سے ہوئی۔ آپ کے ۵ بچے تین لڑکیاں اور دو لڑکے ہوئے۔

آپ کے گھر کا ماحول خالص ادبی تھا۔ آپ کی بڑی بہن آمنہ خاتون عفت بھی بہترین شاعرہ تھیں۔ ان کے علاوہ آپ کی دو چھوٹی بہنیں بلقیس جمال اور غزالہ بریلوی بھی شاعرہ ہیں اور آپ کے ایک بھائی ذوالنورین قرار بھی اچھے شاعر تھے۔ پنہاں نے دس سال کی عمر میں مضامین لکھنا شروع کیے۔ ۱۹۲۱ء سے شاعری کی طرف متوجہ ہوئیں۔ ابتدائی دور میں آپ نے فارسی زبان میں شعر کہنا شروع کیا اور شہرت حاصل کی۔ ابتدا میں ساجد علی الہ آبادی سے اصلاح لی۔ ایک سال بعد ماجد الہ آبادی نے آپ کو طالب علی الہ آبادی کے حلقۂ تلامذہ میں داخل کرا دیا۔ پنہاں کا کلام اور مضامین ابتدا سے ملک کے معیاری رسائل میں شائع ہوتے تھے۔ طالب الہ آبادی سے دو سال تک اصلاح لی اس کے بعد انہوں نے فارغ الاصلاح کر دیا۔

پنہاں نے اپنے والد کی یاد میں ایک مجموعۂ نظم بعنوان "اشک ناتمام" ۱۹۲۹ء میں شائع کرایا۔ آپ کا شمار اپنے دور کی مقبول اور ممتاز شاعرات میں ہوتا تھا۔ آپ شاعری کی جملہ اصناف میں طبع آزمائی

---

[1] تذکرہ شعرائے اترپردیش ۱۰ میں عرفان عباسی نے اس کتاب کا سن اشاعت ۱۹۰۳ء لکھا ہے۔

کرتی تھیں۔ کلام اردو و فارسی دونوں زبانوں میں ہے انہیں زبان و بیان پر قدرت حاصل تھی۔ کلام میں فارسی کی آمیزش زیادہ ہے۔ آپ کی نظمیں موثر ہیں۔ بقول عرفان عباسی "اُن کا کلام صحتِ زبان، پرخلوص جذبات سلاست وصفائی، واقعہ نگاری و وارداتِ قلب، کی ترجمانی اور شاعرانہ سلیقہ مندی کا اچھا نمونہ ہے۔"

۱۹۴۷ء کے بعد آپ اپنے خاندان کے ساتھ ترکِ وطن کرکے کراچی (پاکستان) چلی گئی تھیں۔ اور وہیں زندگی کے آخری ایام گزار کر ۹ر اکتوبر ۱۹۷۲ء کو مالکِ حقیقی سے جا ملیں۔

نمونہ کلام

نیاز و ناز نامقبول دونوں — نہ سمجھی میں کہ ہے تیری رضا کیا
جبینِ حسن پر سُرخی سی دوڑی — نگاہِ آرزو نے کر دیا کیا۔

کارواں کیا نزدِ منزل آگیا — آستاں پہ کیوں ہجومِ عام ہے
شیشہ و مینا میں پنہاں برق ہے — حسنِ پُرفن آج زیرِ دام ہے

میں اک طرف ہوں شکلِ خزاں پائمالِ یاس
اک سمت وہ بہار کا جلوہ لئے ہوئے
عشقِ جنوں نواز چلا بزمِ ناز میں
اک اضطراب و شوق کی دنیا لئے ہوئے
میری تو ہر نگاہ ہے وقفِ عبودیت
وہ ہر ادا میں حسنِ کلیسا لئے ہوئے

ماخذ:- تذکرہ معاصرین ج۲، تذکرہ شعرائے اترپردیش ۱۹۸۲ء

پنہاںؔ

بلقیس بیگم نام، بلقیس اور پنہاں تخلص۔ والد کا نام حسن رضا خاں تھا جو رسالدار تھے۔ رامپور میں محلہ املی جھولے والی میں مکان ہے۔ شادی کے چند سال بعد بیوہ ہو گئی تھیں۔ زیادہ حالات نہ مل سکے کلام میں روایت کا احترام اور غزل کا رنگ اور رچاؤ پایا جاتا ہے۔

نمونہ کلام

پڑتے ہی اک نظر ہوا زخمی دل و جگر — قاتل تری نظر ہے کہ خنجر کھلا ہوا
قاصد سے کیا کہوں میں لکھوں ان کو خط میں کیا — پنہاںؔ کے دل کا حال ہے ان پر کھلا ہوا

آنکھوں سے کبھی کوچۂ جاناں نہیں دیکھا — بلبل ہوں مگر صحنِ گلستاں نہیں دیکھا
اس سے نہ اضطرابِ محبت کو پوچھئے — جو جی رہا ہو درد کا احساں لئے ہوئے
بے چین کر دو تو بھی یہ ظاہر ہے صاف صاف — پنہاںؔ ہی دل میں لئے ہے غمِ پنہاں لئے ہوئے

یہی اک مشغلہ شام و سحر ہے — تصور ہے ترا اور چشم تر ہے
اسے ذکرِ بہار و باغ سے کیا — قفس کو جو سمجھتا ہو کہ گھر ہے
شبِ فرقت ہے اپنی کیسی پنہاںؔ — کہ جس کی شام محروم سحر ہے

ماتم کدہ بنا ہے گلستاں ترے بغیر — ہر گل ہوا ہے چاک گریباں ترے بغیر

لمحاتِ پُرسکون کہاں اور میں کہاں
بکھرا پڑا ہے ہوش کا ساماں ترے بغیر

ماخذ:-
پٹھان شاعرات کا تذکرہ (۱۹۸۳ء)
ڈاکٹر خان محمد عاطف

پھُول

پھول بیگم نام اور پھول تخلص ہے۔ پٹھان خاندان کے فرد ہدایت حسین خاں کے یہاں ۱۴ر دسمبر ۱۹۶۷ء کو لودھی سرائے سنبھل ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئیں۔ مقامی تعلیم کے بعد علی گڑھ سے اُردو میں ایم۔ اے کیا۔ شاعری کی ابتدا ۱۹۸۲ء میں ہوئی۔ ساغر جیلانی رامپوری (مرحوم) سے اصلاح کا آغاز کیا۔ مگر وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ کلام ملک کے رسائل میں چھپتا رہتا ہے۔ جن رسائل میں کلام اب تک شائع ہوا ہے، ان میں "بیسویں صدی"، "بتول، خاتونِ مشرق، اخبار میرٹھ میلہ اور گوشوارہ ہیں — مشاعروں میں شرکت نہیں کرتی ہیں۔ غزل پسندیدہ صنف ہے۔ ابھی آپ کی شاعری ابتدائی مراحل طے کر رہی ہے۔ امید ہے کہ اگر مشقِ سخن جاری رکھی تو کلام میں نکھار کے ساتھ پختگی پیدا ہو جائے گی

نمونۂ کلام

جب بھی آئے ہیں وہ خیالوں میں
ہم نے بھر لی شراب پیالوں میں

ہم نے اپنی ہی ذات سے اکثر
ہر قدم پر فریب کھائے ہیں
اُف مرے عہد کی سیاست نے
گھر تو گھر ہیں بشر جلائے ہیں

بے چین ہیں وہ آج تو حیرت کی بات ہے
ہم بھی تھے بے قرار ابھی کل کی بات ہے
اے پھول یہ سُنا تھا وہ تیرے فراق میں
روتے تھے زار زار ابھی کل کی بات ہے

گاؤں میں شہر سے بڑھ کر ہی خلوص ہوتا ہے
تم کبھی شہر سے اس گاؤں میں آؤ تو سہی
میں بھی انسان ہوں انسان سے نفرت کیسی
اپنی نظریں مری نظروں سے ملاؤ تو سہی
جان جاؤ گے حقیقت میں عبادت کیا ہے
غیر کے غم میں کبھی اشک بہاؤ تو سہی

اب تو عوضِ تبسم ہم کو نہ دے زمانہ — برسوں پڑا ہے رونا اک بار مسکرا کے
راہِ وفا میں ہر دم ثابت قدم رہے ہم — دیکھا گیا ہے پھر بھی سو بار آزما کے

اُن سے مل کر نظر کا جھک جانا — ایک طرز سلام ہوتا ہے
زخم چاہے دیئے ہوں پھولوں نے — پھر بھی کانٹوں کا نام ہوتا ہے

تاج

تاج سلطان نام، تاج تخلص ہے۔ ۱۹۴۲ء میں پیدا ہوئیں۔ والد کا اسمِ گرامی نامدار خاں ہے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے بعد ،، ادیب کامل ،، کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۶۱ء میں ظفر احمد ظفر ایوبی کے ساتھ شادی ہوئی۔

بجنور وطن ہے۔

شاعری کی ابتدا شادی کے بعد ہوئی۔ آپ کے شوہر ظفر ادیبی بجنور کے اچھے شعرا میں ہیں۔ ۱۹۷۸ء میں باقاعدہ شعر کہنا شروع کیا۔ اور صوفی محمد ایوب زمزم بجنوری سے اصلاح لینے لگیں۔ پہلی تخلیق ماہنامہ "روشن ادب" (شمارہ ۷ ۱۹۸۴ء) میں شائع ہوئی۔ غزل آپ کی محبوب صنف سخن ہے۔ عام مشاعروں میں شرکت نہیں کرتی ہیں۔ البتہ ریڈیو پر منعقد ہونے والے پروگراموں میں شریک ہوتی ہیں۔ پسندیدہ شاعروں میں حفیظ میرٹھی ہیں۔ اردو زبان سے بہت لگاؤ ہے جس کے لئے درس و تدریس کی خدمت انجام دیتی ہیں۔ انہوں نے راقم الحروف کو ایک خط میں اُردو ادب کی بقا کے سلسلے میں اپنے تاثرات اس طرح لکھے تھے۔

"میں آج محسوس کرتی ہوں کہ ادب نواز ہی ادب دشمن بنے ہوئے ہیں۔ مثلاً وہ ادیب و شعراء جو اُردو وساطت سے اردو ادب کے کاندھوں پر سوار ہو کر اعلیٰ مقام پر پہنچے بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اُردو ادب کو روزی بنائے ہوئے ہیں وہی اپنے بچوں کو اُردو ادب سے دور رکھے ہوئے ہیں۔ اور یہ سانحہ ہے۔ جو اُردو ادب کی بقا نہیں بلکہ فنا کی جانب لئے جا رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اُردو ادب کو زندہ رکھنے کا واحد طریقہ یہ رہ گیا ہے کہ ہر ادب نواز اپنے بچوں کو اردو ادب سے روشناس کرائے ———"

نمونہ کلام

سب فنا کا سبق پڑھاتے ہیں	کوئی درسِ بقا نہیں دیتا
تا آج اُن کے بغیر محفل میں	کوئی نغمہ مزا نہیں دیتا

غمِ حیات پہ خوشیوں کا راج ہو نہ سکا
مسیحِ وقت سے میرا علاج ہو نہ سکا
صدائے وقت میں رسموں کا اک ہجوم سا تھا
مگر خلوص کا قائم رواج ہو نہ سکا

قفس میں بند نہیں ہوں اسیر ایسی ہوں
میں اپنے وقت کی دیکھو نظیر ایسی ہوں
پڑی ہے کاندھے پہ جھولی مرے مگر پھر بھی
سوال کرتی نہیں ہوں فقیر ایسی ہوں
جلا رہی ہوں میں راہِ ادب میں قندیلیں
میں اپنے وقت کی روشن ضمیر ایسی ہوں

ابھی تو دور ہے منزل مرے خیالوں کی
کہاں رکوں، کہاں ٹھہروں کہاں قیام کروں

وہ بھی خاموش ہیں میں بھی خاموش ہوں
پھر بھی دونوں کے ہے درمیاں زندگی

جھیل کے درپن میں دلہن بن رہی تھی چاندنی
کس نے پتھر پھینک کر درپن کے ٹکڑے کر دیئے

ہم ملے تھے فقط ایک پل کے لئے
روتے روتے مگر عمر بھر ہو گئی
میرے گیسو جو بکھرے تو کچھ غم نہیں
غم تو یہ ہے تری آنکھ تر ہو گئی

حسن و عشق میں تکرار کہاں سے آئی
صحنِ جذبات میں دیوار کہاں سے آئی
قتل گاہوں سے تو میں دور نکل آئی تھی
پھر تعاقب میں یہ تلوار کہاں سے آئی
درد تو ہم کو زمانے نے ہمیشہ ہی دیئے
آج یہ لذتِ آزار کہاں سے آئی

فرصت ملے تو بیٹھ کے پڑھنا کتابِ دل
بہتر نہیں کتاب کوئی اس کتاب سے

ترنّم

ترنم ضیا ترنّم کی ولادت ۲۵ دسمبر ۱۹۵۹ء کو شاہجہانپور میں ہوئی آپ کے والد کا اسم گرامی احمد اللہ خاں کیفی ہے۔ ترنم ایک تعلیم یافتہ خاتون ہیں۔ آپ ایم۔ اے پاس ہیں۔ شاعری آپ کو ورثہ میں ملی ہے محمد نسیم خاں نسیم شاہجہانپوری سے مشورۂ سخن کرتی ہیں۔ کلام میں تازگی ہے۔

نمونۂ کلام

ہر اشکِ غم خوشی سے پئے جا رہی ہوں میں
روشن وفا کا نام کئے جا رہی ہوں میں

جس طرح چاہو کلیجہ مرا چھلنی کر دو
تیر لفظوں کے خدارا نہ چلاؤ لوگو!

اب طرف فضائے چمن ہے دھواں دھواں
جائے کدھر نکل کے کوئی اور کہاں رہے

دلفریبی ہے گلوں میں نہ وہ رعنائی ہے
کون کہتا ہے گلستاں میں بہار آئی ہے

تم ترنّم سے خفا ہی سہی لیکن اس نے
کیا خطا کی ہے کہ یہ جس کی سزا پائی ہے

ماخذ:۔ دبستان شاہجہانپور۔ از مبارک شمیم (غیر مطبوعہ۔)

تسنیم صدیقی

ہندوستان میں آئے دن آل انڈیا مشاعرے ہوتے رہتے ہیں۔ معروف شعراء کے ساتھ ساتھ چند شاعرات جو اکثر مشاعروں میں شریک ہوتی ہیں ان میں ایک اہم نام تسنیم صدیقی صاحبہ کا ہے۔ آپ مشاعروں کی مقبول شاعرہ ہیں۔ تسنیم صدیقی کی پیدائش علم وادب سے معمور گھرانے میں ہوئی۔ آپ کے والد سلام صدیقی کا شمار بھی اچھے شعراء میں ہوتا ہے۔ دادا طفیل احمد شاہدی اُردو، فارسی کے شاعر تھے۔ اور تایا روشن صدیقی[1] کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ تسنیم صدیقی نے بی۔ اے تک تعلیم حاصل کی ہے۔

شاعری سے لگاؤ عرصے سے ہے۔ کلام پر اصلاح والد سے لیتی تھیں۔ والد کے پاکستان چلے جانے کے بعد بزمی مرادآبادی سے مشورۂ سخن کرتی ہیں۔ ۱۹۷۱ء سے آل انڈیا مشاعروں میں شرکت کر رہی ہیں پہلا آل انڈیا مشاعرہ سردھنہ ضلع میرٹھ میں پڑھا تھا آپ کے ترنم میں بلا کی کشش ہے۔ کلام اکثر معیاری رسائل میں بھی شائع ہوتا ہے۔

نمونۂ کلام

اداسیوں کا سب اُسکی حساب کر دوں گی ہنسا ہنسا کے میں اُس کو گلاب کر دوں گی

---

[1] روشن صدیقی۔ ۱۰ جولائی ۱۹۱۱ء کو سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ شاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ اصلاح والد سے ہی لیتے تھے۔ اُن کے شعری اثاثہ میں نظموں کی اکثریت ہے۔ ۲۳ جنوری ۱۹۷۱ء کو شاہجہانپور کے ایک مشاعرے میں انتقال ہوا۔

وہ دیکھنے کو اگر مل گیا کہیں اب کے ۔۔۔ پڑھوں گی اتنا کہ چہرہ کتاب کردوں گی
میں اس اواسے تعارف کراؤں گی اس کا ۔۔۔ کہ شہر بھر میں اُسے انتخاب کردوں گی

احتیاطاً لکھا یہ عالم تو یہ ۔۔۔ خط بھی بھیجے گئے سادے مجھ کو
میں امانت ہوں کسی کی تسنیمؔ ۔۔۔ اس سے کہہ دو کہ بھلادے مجھ کو

تسنیم

تسنیمؔ زیدی بجنور کی شاعرہ ہیں۔ آپ کی غزلوں میں جدید لب و لہجہ کی بھینی بھینی خوشبو آتی ہے۔ دو غزلیں جو ماہنامہ سو برس[1] (جولائی ۷۶ء) میں شائع ہوئی تھیں وہ پیش ہیں۔

نمونہ کلام

ایک شعلہ جو مرے سینے کے اندر قید تھا
جب مرے ہونٹوں پہ آیا برف سا ٹھنڈا لگا
ان گنت چہرے مری آنکھوں سے باہر آگئے
گھور سناٹا تھا ہر سو رات بھر ڈرسا لگا۔
کیا خبر تھی لوٹ کر تسنیمؔ یوں بکھریں گے ہم
زندگی شیشے کی تھی موسم کا پتھر آ لگا

---

[1] سو برس کا پہلا شمارہ مئی ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے ایڈیٹر نشتر خانقاہی تھے۔ چند شمارے نکلنے کے بعد بند ہوگیا۔ عوام میں مقبول ہونے لگا تھا۔

سیاہ دھوپ کا طوفان سر سے گزرے گا — یہ حادثہ بھی ہماری نظر سے گزرے گا
مری امید سرِ رہ گزار بیٹھی ہے — کبھی تو کوئی مسافر ادھر سے گزرے گا

ثروت

ثروت ذکی نہٹور ضلع بجنور کی شاعرہ ہیں۔ کلام رسائل میں چھپتا تھا۔ ایک غزل جو "شمع" کی اگست ۱۹۷۵ء کی اشاعت میں ہے۔ وہ بطور نمونہ کلام درج کی جاتی ہے۔

دل میں یادوں کا اک جہاں جیسے — ایک بکھری سی داستاں جیسے
کتنی بے تاب سی امنگوں کا — ایک خاموش کارواں جیسے
یا کوئی درد مند کھو جائے — سرد آہوں کے درمیاں جیسے
اک خزاں دیدہ پیڑ کے پیچھے — چاند کا درد ہو جواں جیسے
بزمِ شعر و سخن میں اے ثروتؔ — چند اشعار، خوں فشاں جیسے

ماخوذ شمع ۔ اگست ۱۹۷۵ء

جلوس

جلوس بیگم شاہجہاں پور کی رہنے والی تھیں۔ ایک غزل پھول اور غنچے کے عنوان سے ماہنامہ "خاتونِ مشرق" کے کسی شمارے میں شائع ہوئی تھی جسے فاروق محشر بدایونی نے "محفلِ خواتین" میں شامل کیا ہے۔ بطور نمونہ کلام یہاں بھی پیش کی جاتی ہے۔

بہار آئی ہے گلشن میں عنادل چہچہاتے ہیں
اگر ہیں پھول خندہ زن تو غنچے مسکراتے ہیں

ہزارہ کھل رہا ہے یا کہ مہرِ زر فشاں نکلا
کھلے ہیں پھول بیلے کے کہ تارے جگمگاتے ہیں

یہ بدمستِ محبت باغ میں آگئے نئے ڈھب سے
چلے آتے ہیں لیکن ہر قدم پر ڈگمگاتے ہیں

جمال

بلقیس جمال نام اور جمال تخلص ہے۔ آپ پنہاں بریلوی کی چھوٹی بہن ہیں۔ والد ماجد کا نام عبدالاحد تھا۔ جو ڈی۔ پی۔ آئی آفس الہ آباد میں سپرنٹنڈنٹ تھے۔ آپ ۸ دسمبر ۱۹۱۹ء کو بریلی میں پیدا ہوئیں بچپن الہ آباد میں گزرا۔ تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ قرآن کریم اور اردو کی کتب کے مطالعہ کے بعد بڑی بہن سے انگریزی پڑھی۔ ۱۹۲۵ء میں والد کی وفات کے بعد خاندان کے ساتھ بریلی آگئیں۔ یہاں ۱۹۴۲ء میں آپ کی شادی حافظ عبدالجلیل B.S C.L.L.B سے کر دی گئی۔ شادی کے بعد شوہر کے ہمراہ مظفر نگر میرٹھ وغیرہ میں رہیں۔ ۲۵ جون ۱۹۴۷ء کو شوہر کی وفات سے تمام خوشیاں چھن گئیں۔ آزادی کے بعد خاندان کے ہمراہ پاکستان چلی گئیں۔ آج کل وہیں زندگی کے آخری ایام گزار رہی ہیں۔ جمال پردہ نشین صوم وصلوٰۃ کی پابند مشرقی خاتون ہیں۔

جمال کو مضمون نگاری کا شوق ۹ سال کی عمر میں ہی پیدا ہو گیا تھا۔ اور جلد ہی آپ کی تحریریں اخبارات و رسائل میں بھی جگہ پانے لگیں تھیں۔ شاعری سے بھی لگاؤ بچپن سے تھا۔ اساتذہ کے کلام کے مطالعہ کا شوق آپ کو تھا۔ نثری مضامین پر والد سے اصلاح لیتی تھیں۔ ابتدائی کلام پر ماجد الہ آبادی سے اصلاح لی کچھ عرصے کے بعد ماجد نے طالب الہ آبادی کا شاگرد کرا دیا۔ بہت جلد اپنی محنت ذوق اور استاد کی توجہ کی بدولت آپ

میں پختگی پیدا ہو گئی۔ اور استاد نے فارغ الاصلاح کی سند دے دی۔
جمال کا شمار اردو کی قابلِ ذکر شاعرات میں ہوتا ہے۔ کلام پختہ ہے۔ آپ
ایک دردمند دل رکھتی ہیں۔ قومی، ملی، اخلاقی، جذباتی اور رومانی غرض یہ کہ
آپ نے ہر طرح کی نظمیں کہی ہیں۔ فنِ شاعری میں آپ کے کافی تلامذہ ہیں
نظموں کے دو مجموعے (۱) آئینۂ جمال اور (۲) قوسِ قزح شائع ہو کر
شرفِ قبولیت حاصل کر چکے ہیں۔

نمونۂ کلام

نظم "تیری محبت سے"

تجھ کو اپنے نافۂ گیسوئے پیچاں کی قسم — تجھکو اپنے دوش پر زلفِ پریشاں کی قسم
تجھکو میرے جذبہ و جوشِ تمنّا کی قسم — تجھکو اپنے عشوہ و اندازِ رعنا کی قسم
تجھکو تیری ہی قسم ہے میرا حالِ زار سن — داستانِ دردِ تاریخِ دلِ بیمار سن
تیری اُلفت خانۂ تاریک کی تھی روشنی — تیری اُلفت میرے دل کو برقِ کوہِ طور تھی
اونگھنے لگتے تھے تارے جب خمارِ خواب سے — تیری اُلفت جاگ اُٹھتی تھی کنارِ خواب سے

الغرض تیری محبّت تھی، سراسر حیات
کائنات اُلفت تھی مجھکو تیری اُلفت کائنات

"نغمۂ تمنّا"

اے برقِ تاباں جلوے دکھا جا — اے ساقیِ جاں ساغر پلا جا
اے نغمہ ساماں نغمے سنا جا
بے خود بنا جا — آنکھوں میں آجا
آنکھوں میں آجا — دل میں سما جا

آنکھوں کی سُرخی میخانہ ساماں — پُتلی کی بجلی آتش قلب لرزاں
رُخ کی تجلّی، ایمن بہ داماں
حُسنِ فراواں آنکھوں میں آجا
آنکھوں میں آجا دل میں سما جا

پیغامِ عمل

آ سکوتِ شام میں پھر نالۂ پیہم کریں — آ لبِ خاموش کو پھر واقفِ ماتم کریں
آ دل کا شمعِ محفل کو بنا دیں رازدار — گرمیِ سوزاں کو سوزِ زیست کا محرم کریں
آ سرِ گلشن ہیں زخمِ غنچہ محتاجِ رفو — بلبلوں میں پھر بپا ہنگامۂ ماتم کریں
اِک شعاعِ نور چمکائیں جبینِ ماہ پر
ثبت کر دیں ایک آنسو آستینِ ماہ پر

تُربت پہ چڑھیں پھول، نہ بتّی نہ دیا ہو — اِک داغ ابھر آئے جوان سب سے سوا ہو
آئینۂ دل چور ہوا ضربِ ہُو کی — ٹوٹے ہوئے ہر ٹکڑے میں تو جلوہ نما ہو
پیمانۂ ہستی مرے ہونٹوں سے لگا کر — ارشاد یہ ہوتا ہے کہ سرزد نہ خطا ہو

نقاب لگا کے مری آہ اُن کی پلکوں میں — نگاہِ ناز سے کچھ بجلیاں چُرا لائی
جمالِ یار کی جانب نگاہ کیوں اُٹھے — نظر کو اُن کی ہے اندیشۂ مسیحائی

کشمکش بے کفر دایاں کی فضول — آخری آنسو کشودِ راز ہے
لغزشِ پیہم کی پردہ داریاں — چشمِ ساقی کا نیا انداز ہے

ماخذ: شاعراتِ اردو۔

چاند رانی

چاند رانی ۱۹ مئی ۱۸۸۹ء کو منشی لکشمی نرائن جوہری کے یہاں بریلی میں پیدا ہوئیں۔ جو بریلی کے رئیس اور کائستھ گھرانے کے فرد تھے۔ چاند رانی کی والدہ ہیرا کنور اردو ہندی کی ادیبہ تھیں۔ اُن کی کئی کتابیں شائع ہوئیں منشی رام سہائے تسلیم[1] چاند رانی کے نانا تھے۔ چاند رانی کی ابتدائی و ثانوی تعلیم والدہ کی نگرانی میں ہوئی۔ ۲۰ سال کی عمر میں شادی کر دی گئی۔ آپ کے شوہر اُلفت رائے کا انتقال بہت جلد ہو گیا۔ اس حادثہ کا چاند رانی کے دل پر بہت صدمہ ہوا۔ آپ نے بعد کی تمام زندگی دھارمک کاموں اور ادب کی خدمت میں گزاری۔

اردو ادب سے لگاؤ بچپن سے تھا۔ آپ کے مضامین "ادیب" (الہ آباد) "زمانہ" (کانپور) "چاند" (لاہور) وغیرہ میں اکثر چھپتے تھے۔ جن کی تعریف مولانا شبلی، پریم چند، دیا نرائن نگم، جگر بریلوی جیسی شخصیات نے کی ہے۔ چاند رانی کے مندرجہ ذیل مضامین "زمانہ" میں شائع ہوئے۔

(۱) میکے کی یاد — جولائی ۱۹۱۰ء

(۲) عورتوں کا اصلی زیور — ستمبر ۱۹۱۰ء

---

[1] رام سہائے نام اور تسلیم تخلص تھا۔ آپ علی گڑھ کے رہنے والے تھے۔ بدایوں میں ایک عرصے تک، ڈپٹی کلکٹر رہے۔ آپ مرزا حاتم علی بیگ مہر تلمیذ ناسخ کے شاگرد تھے۔ دو دیوان۔ غنچہ مراد اور نغمہ آرزو، آپ کی یادگار ہیں۔ تذکروں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ۹۵-۹۰ برس سال کی عمر پائی۔ تسلیم کا شمار اس زمانے کے مشہور کہنہ مشق شعرا میں ہوتا تھا۔ آپ کے کلام میں زبان کی صفائی اور بیان میں رنگینی ہے۔ (تذکرہ غیر مسلم شعرائے بدایوں)

(۳) دُکھ — جنوری ۱۹۱۱ء
(۴) موت کے آخری لمحے — مارچ ۱۹۱۱ء
(۵) ہندوؤں کی طرزِ معاشرت — مئی ۱۹۱۱ء
(۶) فرض — جولائی ۱۹۱۱ء
(۷) عورتوں کی زندگی — فروری ۱۹۱۲ء
(۸) اختتام گرما — نومبر ۱۹۱۲ء
(۹) صفائی باطن — جنوری ۱۹۱۴ء
(۱۰) ہوم رول — دسمبر ۱۹۱۷ء
(۱۱) گانا بجانا — جون ۱۹۱۹ء
(۱۲) یادِ مادر — اکتوبر ۱۹۲۰ء
(۱۳) شکھ — فروری ۱۹۳۱ء

ان مضامین کے عنوانات سے ظاہر ہے کہ چاندرانی قوم و معاشرے کی اصلاح کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ منشی دیانرائن نگم مضامین چاندرانی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"اُن کے متعدد مختلف مضامین جو "زمانہ" میں شائع ہو چکے ہیں۔ عرصہ دراز تک ان کے زورِ قلم اور فکر کی بلندی کی یاد دلاتے رہیں گے۔ چاندرانی صاحبہ ایک لائق ماں کی لائق بیٹی تھیں۔ گھر پر ہی تحصیل علم کیا تھا۔ مگر سادہ و موثر عبارت میں دلی جذبات قلم بند کرنے کا انہیں ملکہ حاصل ہو گیا تھا۔"

آپ کے مضامین کے ترجمے ہندی اور بنگالی زبانوں میں بھی ہوئے دو مجموعہ مضامین ہندی اور بنگالی میں طبع ہوئے۔ ہندی مجموعہ کا نام "مہلا گورو" ہے۔ چاندرانی کو شاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ آپ کا کلام اکثر "مارتنڈ" لاہور میں شائع ہوتا تھا۔ انہوں نے رُباعیاں کافی تعداد

ہیں لکھیں۔ اُن میں بھی اصلاحی پہلو نمایاں ہے۔

نمونۂ کلام

رباعیات

دُنیا کا نہ ساتھ مال و زر جائے گا
کچھ بھی تو پتہ نہیں کدھر جائے گا
ہاں ساتھ چلیں گے چاندرانی اعمال
انسان بھلا بُرا جو کر جائے گا

مرنا برحق ہے خوف مرنے سے کیا
جو بات اٹل ہے اس میں ڈرنے سے کیا
تحقیق کی ہے فکر چاندرانی لازم!!!
جو فعل زبوں ہیں اُن کے کرنے سے کیا

مٹھی باندھے جہاں میں آتا ہے بشر
ظاہر ہے وہاں سے کچھ تو لاتا ہے بشر
لیکن سب کھو کے چاندرانی صد حیف
دنیا سے پسارے ہاتھ جاتا ہے بشر

زیور سے نہ زر نہ مال و دولت سے ہے
انسان کی قدر آدمیت سے ہے
فعلوں پہ نگاہ چاندرانی رکھنا!!
عزت اپنی خود اپنی عزت سے ہے

ماخذ: شریمتی چاندرانی۔ از دیویندر پرشاد سکسینہ۔ ہماری زبان یکم جولائی ۱۹۶۷ء
(صفحہ ۱۰)

حجابؔ

حجاب کا تعلق علم و فضل سے معمور گھرانے سے تھا۔ آپ کے جد امجد دیوان یٰسین خاں شاہجہاںپور کی ایک اہم شخصیت تھے۔ آپ کو نواب شاہجہاںپور قادر علی خاں کے وزیر ہونے کا شرف حاصل تھا۔ حجاب حضرت رستم شاہ کی نواسی تھیں جو مشہور عالم دین اور ولی کامل تھے حجاب کے والد عنایت اللہ خاں گوشہ نشیں قسم کے سیدھے سادھے زمیندار تھے۔ حجاب کی پیدائش تقریباً ۱۸۷۵ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم زمانے کے رواج کے مطابق گھر پر ہوئی۔ اس زمانے کے مشہور استاد نواب حیدر علی خاں سے عربی فارسی کی کتب کا درس لیا۔ آپ ابتدا سے بہت ذہین تھیں۔ دوران درس استاد سے بھی بحث و تکرار کر لیتی تھیں۔ آپ کا نام انوری جہاں بیگم تھا۔ دسؔ سال کی عمر میں آپ پر چیچک کا شدید حملہ ہوا۔ سارے بدن پر بڑے بڑے آبلے پڑ گئے۔ کافی علاج کیا گیا اور رفتہ رفتہ صحت یاب ہوئیں۔ لیکن تمام جسم پر سیاہ داغ پڑ گئے۔ اور قدرت کے انمول عطیے بینائی سے محروم ہو گئیں۔ اس وجہ سے تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ بعد میں آنکھوں کی روشنی کے بغیر تعلیم کا سلسلہ شروع کیا۔ اور علم نجوم میں اچھی دسترس حاصل کی۔ بقول سیدہ شان معراج — حجاب صاحبہ بے انتہا متواضع، خلیق اور مہمان نواز تھیں۔ ہر ایک فرد سے نرمی، محبت اور خلوص سے ملتی تھیں۔ اردو کی اس عظیم شاعرہ

ہر جگہ شوخ نگہ

لے مؤلف دستاویزات اردو نے آپ کا نام فخر النساء لکھا ہے جو درست نہیں۔

آپ نے ضد مرے م

قدم مری آنکھوں نے

کا سفرِ زیست جنوری ۱۹۳۷ء میں تمام ہوا۔ اور دنیائے شاعری ایک قادر الکلام شاعرہ سے محروم ہوگئی۔

حجاب نے اپنے کلام پر ابتدا میں منشی احسان علی خاں احسان شاہجہاں پوری سے اصلاح لی۔ لیکن کچھ عرصے بعد اُن کے مشورہ پر جلال لکھنوی سے وابستہ ہوگئیں۔ جلال لکھنوی سے ہی احسان شاہجہاں پوری کو شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ حجاب اپنے تخلص کے ساتھ "پردہ نشین" کا اضافہ ضرور کرتی تھیں۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت کی مشہور طوائف منی بائی کا تخلص بھی حجاب تھا جو مرزا داغ سے تلمذ رکھتی تھیں۔

حجاب کا کلام اس زمانے کے سبھی موقر رسائل میں شائع ہوتا تھا۔ اس دور کی اہم شخصیات مثلاً آرزو لکھنوی، داغ دہلوی، نوح ناروی، سائل دہلوی، مہر گوالیاری، احسن مارہروی، جگر بسوانی وغیرہ سے آپ کے مخلصانہ مراسم تھے۔

فنِ شاعری میں آپ کے تلامذہ کی خاصی تعداد ہے۔ حجاب مشاعروں میں بھی شرکت کرتی تھیں۔ آپ نے سندیلہ کے مشاعروں میں کئی بار شرکت کی۔ یہ مشاعرے سید التفات رسول تعلقدار سندیلہ کے یہاں منعقد ہوتے تھے۔ جن میں مرزا داغ بھی شریک ہوتے تھے۔ اور آپ کی قدر کرتے تھے۔ آپ مشاعروں میں کلام ترنم سے پڑھتی تھیں۔

آپ کے کلام ... ہا ... ی و لطافتِ شاعرانہ، سلیقہ مندی، سادگی و پُرکاری کے اچھے نمونے ... ۔ آپ حسن و عشق کے مضامین کو بڑی خوش اسلوبی سے ا ... زیور سے ...

لہ "تذکرہ شاعرات اُردو" ... النساں کی تصنیف ۱۹۴۰ء ہے۔ مولف نے حجاب کے حالات میں جو

... زبان استعمال کی۔ فعل ... پر ... حیات ہیں حالانکہ انتقال ۱۹۳۷ء میں ہوگیا تھا

عزت اپنی خود ...

... یتی چاند رانی۔ از ویریندر پرشاد سکسینہ ...

نمونہ کلام

کہاں ممکن ہے پوشیدہ غمِ دل کا اثر ہونا
لبوں کا خشک ہو جانا بھی ہے آنکھوں کا تر ہونا

وہ اُن کا چھپ کے چپکے مسکرانا خون رونے پر
وہ میرا دل ہی دل میں واقفِ رنگِ اثر ہونا

نہیں علت سے خالی بیٹھ دشمن اُدستم پیشہ
یہ منھ میری طرف ہونا تری نظریں ادھر ہونا

ستم کی، جور کی، بیداد کی، کافی شہادت ہے
جدائی میں مرا بیتاب بے خود بے خبر ہونا

وہ تڑپانا کسی بیدرد کا مجھ کو نڈر ہو کر
وہ میرا ڈرتے ڈرتے آشنائے دردِ جگر ہونا

حجاب آکر سندیلہ میں جو شاعر جمع ہوتے ہیں
مزا دیتا ہے کیا کیا مجمعِ اہلِ ہنر ہونا

بے دہن معشوق پوچھیں گے معانی شعر کے
معجزہ دکھلائیگی میری سخندانی مجھے

یا تصوّر نے مرے کھینچی ہے تصویر آپ کی
یا کہیں سے مل گیا ہے خامۂ مانی مجھے

طور پر برق بنی سوزِ محبت دل میں
ہر جگہ شوخ نگاہی کی شرارت دیکھی

اُس نے ہر بات پہ اصرار کئے ہیں کیا کیا
آپ نے ضد مرے دل کی شبِ خلوت دیکھی

قامتِ یار کا آیا جو تصوّر مجھ کو
قدِ آدم مری آنکھوں نے قیامت دیکھی

دل میں ہوجائینگے پھر داغِ محبت پیدا — خواب میں ہم نے کوئی چاند سی صورت دیکھی

حزیں

ثریا خاتون نام اور حزیں تخلص ہے۔ والد کا اسم گرامی ریاست اللہ قریشی ہے۔ حزیں ۸ اپریل ۱۹۴۲ء کو شاہجہانپور میں پیدا ہوئیں ــــ والدین تقسیم ملک کے بعد پاکستان ہجرت کر گئے۔ آپ کی پرورش نانا سید اطہر علی نے کی۔ جامعہ اردو سے امتیاز کے ساتھ ادیب کامل پاس کیا۔ جی۔ ایف کالج شاہجہانپور سے بی۔ اے اور بی ایڈ کرنے کے بعد انگریزی اور جغرافیہ میں ایم۔ اے کیا۔ مقامی گرلز کالج میں لکچرر ہیں۔

شعر و شاعری سے لگاؤ بچپن سے ہے۔ ابتدا میں مولانا لیاقت حسین تلہری سے مشورہ سخن کرتی تھیں۔ اس کے بعد اپنے خالو مغموم نقوی سے اصلاح لینے لگیں اور آخر میں نکہت شاہجہانپوری سے رہبری حاصل کی۔ آپ کی شاعری کو پروان چڑھانے میں آپ کے شوہر لوؔز تلہری کا بہت ہاتھ ہے۔ جو اچھے شعراء میں شمار کیے جاتے ہیں۔ حزیں کے کلام میں زبان و بیان کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ سوز و گداز ہے۔

نمونہ کلام

ہر تمنا میں غم یاس لئے بیٹھے ہیں — ہم یہ کس درد کا احساس لئے بیٹھے ہیں
کیسے افسانۂ غم کا کریں آغاز حزیںؔ — ہاتھ میں صفحۂ قرطاس لئے بیٹھے ہیں

کبھی ابھری تھیں صدا بن کے تمہاری یادیں — گونج باقی ہے ابھی ذہن کے غم خانے میں

ہم قلزمِ ہستی میں گھرے چرخِ بریں سے　　مدّت سے گرفتار ہیں سانسوں کے بھنور میں

نشترِ غم مرے سینے میں اتر جانے دو　　دل کے زخموں کو ذرا اور نکھر جانے دو
منتشر زیست ہے اپنی تو نشیمن کیسا　　اب یہ تنکے بھی ہواؤں میں بکھر جانے دو

حفیظ

حفیظ فاطمہ نام، حفیظ تخلص۔ بزرگوں کا وطن بجنور تھا۔ عبد الحلیم خاں کے یہاں بریلی میں پیدا ہوئیں۔ شادی چچا کے لڑکے واحد رشیدی سے ہوئی۔ آزادی کے بعد کراچی پاکستان چلی گئیں۔

گھریلو ماحول شاعرانہ تھا۔ آپ کے چچا حکیم مولوی عبد الجلیل خاں ستھا منڈاوری اچھے شاعر تھے۔ اصلاح انہیں سے لی۔ زیادہ حالات نہ مل سکے۔

نمونۂ کلام

رہِ عرفاں میں اپنے ہوش کو مائل سمجھتے ہیں
ہوئی جب بیخودی طاری اُسے منزل سمجھتے ہیں

بقا ظاہر ہیں ذرّات عدم کا اک ہیولیٰ ہے
حقیقت میں فنا کو زیست کا حاصل سمجھتے ہیں

زمانے کا اثر ہوتا نہیں ہے حال پر اپنے
کہ یکساں حالتِ ماضی و مستقبل سمجھتے ہیں

گفتنی حال سزاوار خطا ہائے نصیب
کیسا افسانۂ غم ہے کہ سنائے نہ بنے

خشک لب، دل میں خلش، آنکھوں میں آنسو ہر دم
دردِ پیہم کہ یہ شدت کہ اٹھائے نہ بنے

ماخذ:۔ شاعراتِ پاکستان۔

حفیظہ

حفیظہ معروف شاعر فاروق محشر بدایونی کی شریکِ حیات ہیں۔ جو آج کل اپنے شوہر کے ہمراہ کراچی پاکستان میں مقیم ہیں۔ آپ کی شادی ایسے گھرانے میں ہوئی جس میں شعر و ادب کا چرچا عام تھا۔ مجتہد الدین عیش تلمیذ امیر مینائی، حسنین احمد مورخ، ثقلین احمد منور اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ فاروق محشر کا مکان جس میں اُن کے بھتیجے رہتے ہیں۔ راقم الحروف کے غریب خانے کے سامنے ہے۔ والد کا نام بلاغت[1] تھا۔

حفیظہ فاطمہ کی ایک نظم "محفلِ خواتین" میں مندرجہ ذیل نوٹ کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

"اس نظم (میں آج بھی اداس ہوں) میں ایک اس نئی بیاہی دُلہن کے جذبات قلمبند کئے ہیں جو عید کے دن جب کہ ہر طرف مسرت کا دور دورہ ہے۔ وہ اپنے شریکِ حیات سے دور ہے اور اس کی نگاہ در کے طواف میں اس لئے مصروف ہے کہ شاید اس کی حقیقی مسرت کا چراغ جھلملاتا نظر آجائے اور وہ جنتِ سکون سے ہم آغوش ہو جائے۔

---

[1] یہ محلہ عباسی بدایوں کے رہنے والے تھے۔

بہارِ عید آ گئی گھٹا خوشی کی چھا گئی
فضائیں عطر بیز ہیں دلوں کے شوق تیز ہیں
سجے ہوئے ہیں بام و در بہار ہے شباب پر
مسرتیں ہیں ہر کہیں نہیں ہوں خوش تو میں نہیں
میں آج بھی اداس ہوں

گلے جو کوئی مل گیا شگوفہ دل کا کھل گیا
ہیں مطربانِ خوش گلو ترانہ ریز کو بہ کو
انہیں میں ایک نازنیں ہے محوِ رقص برزمیں
جبیں پر مسکراہٹیں لبوں پہ گنگناہٹیں
میں آج بھی اداس ہوں

ہوں گم مشاہدات میں عجب تخیلات میں
ہے دل کہیں نظر کہیں کہاں ہوں میں خبر نہیں
دکھا ہوا سا دل لئے نگاہِ مضمحل لئے
کھڑی ہوں بامِ شوق پر کوئی نہیں اِدھر اُدھر
میں آج بھی اُداس ہوں

غریب خوش امیر خوش ہر اک جوان و پیر خوش
ہیں شاد آسماں زمیں مگر مجھے سکوں نہیں
کسی کے انتظار میں نہیں دل اختیار میں
نہ مجھے کسی کی دید ہو تو میرے گھر بھی عید ہو
میں آج بھی اُداس ہوں

—○—

حیاتؔ

مولانا[1] ابر احسنی گنوری کا شمار ہند و پاک کے ان چند اساتذہ میں ہوتا ہے جنہوں نے اُردو شاعری کے فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا ہے۔ آج ملک و بیرونِ ملک میں ابر احسنی کے ہزاروں تلامذہ خدمتِ ادب میں مشغول ہیں۔ دورِ حاضر کی معروف و مقبول شاعرہ مسعودہ حیاتؔ کو بھی انہیں سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔

حیاتؔ تخلص کرتی ہیں۔ ۱۵ اردسمبر ۱۹۳۵ء کو علم و فضل سے معمور گھرانے کے فرد حکیم عبد الحکیم کے یہاں پیدا ہوئیں۔ آپ شرف رحمانی گنوری کی حقیقی بہن ہیں۔ ابتدائی گھریلو تعلیم کے بعد اسکول میں داخل کی گئیں ۔۔ ۱۹۵۲ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اور جے بی ٹی سی کرنے کے بعد نسواں ہائی اسکول شاخ جامعہ ملیہ میں معلمہ ہوگئیں۔ ذوقِ تعلیم ہونے کے سبب ۱۹۶۲ء میں بی۔ اے اور ۱۹۶۷ء میں فرسٹ ڈویژن کے ساتھ اردو میں ایم۔ اے کیا۔ ان امتحانات کے علاوہ پروفیشنکا، ادیب فاضل اور بی ٹی کی اسناد بھی حاصل کیں۔ آج کل دہلی میں ایم۔ سی گرلز اسکول میں معلمہ ہیں اور دہلی ہی میں اپنے شوہر شریف احمد صدیقی امروہوی کے ساتھ مقیم ہیں۔

---

[1] ابر احسنی کا اسم گرامی احمد بخش تھا۔ ۱۸۹۸ء میں گنور ضلع بدایوں میں پیدا ہوئے ابر احسنی کی ابتدائی تعلیم گنور کے مکتب میں ہوئی جہاں سے آپ نے کلام پاک اور اردو فارسی کا درس لیا۔ ۱۹۱۶ء میں مڈل کا امتحان پاس کیا اس کے بعد باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ مگر آپ نے پرائیوٹ طور پر اعلیٰ قابلیت اردو، منشی نیز کامل (فارسی) اور ہندی

(بقیہ اگلے صفحے پر)

حیاتؔ نے علمی و ادبی ماحول میں آنکھ کھولی اس ماحول کے اثرات شروع سے آپ کی زندگی میں نمایاں ہونے لگے تھے۔ اس پر ابرؔ احسنی جیسے کامل استاد کی رہنمائی نے آپ کے ادبی شعور کو چار چاند لگا دیئے حیاتؔ شروع سے ہی مشاق ہیں جس کے سبب کلام میں تغزل، موسیقیت، جدید و قدیم رنگ کے امتزاج کے ساتھ نظر آتی ہے زمانے اور حالات پر بھی آپ خوب تبصرہ کرتی ہیں۔

حیاتؔ مشاعروں میں بھی شرکت کرتی ہیں اور دورِ حاضر کے معروف رسائل میں بھی چھپتی ہیں۔ ایک شعری مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔

(باقی حواشی) وغیرہ کے کئی امتحانات پاس کئے۔ سنہ ۱۹۱۹ء میں ایکسری بدایوں سے آپ کی شادی ہوئی۔ اور خداوند کریم نے چار بیٹوں اور ایک بیٹی سے نوازا۔ اب صرف دو صاحبزادے حیات ہیں۔ ابرؔ احسنی کا ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۰ء تک کا زمانہ بوٹ سازی کے کام میں گزرا۔ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۴۷ء تک آپ محکمۂ تعلیم کی ملازمت میں بدایوں اور دیگر مواضعات میں رہے۔ ۱۹۴۷ء میں آپ کا تقرر بحیثیت استاد اورینٹل کالج رامپور میں ہو گیا جہاں سے آپ نے ۱۹۵۳ء میں ریٹائرمنٹ لیا اس کے بعد مستقل طور پر گنور میں رہے۔ ۷، ۸ نومبر ۱۹۷۳ء کی درمیانی شب میں وفات پائی۔

ابرؔ احسنی نے ۱۹۱۶ء سے شعر کہنا شروع کیا ابتدائی مشورے سخاؔ شاہجہانپوری سے لئے ۱۹۲۲ء میں احسنؔ مارہروی (ف ۱۹۴۰ء) کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہوئے ۱۹۲۸ء میں احسنؔ مارہروی نے فارغ الاصلاح کر دیا ابرؔ احسنی کی مندرجہ ذیل کتابیں شائع ہوئیں۔

(۱) اصلاح الاصلاح (۱۹۴۹ء) (۲) نگینے (۱۹۵۲ء) (۳) سفینے (۱۹۵۲ء) (۴) میری اصلاحیں حصہ اول (۱۹۵۶ء) (۵) میری اصلاحیں حصہ ۲ (۱۹۶۶ء) (۶) قرینے (۱۹۶۳ء) (۷) شبینے (۱۹۶۸ء) (۸) خزینے (۱۹۷۱ء)

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

نمونۂ کلام

مچل گیا جو دلِ ناتواں تو کیا ہوگا
اٹھا نہ عشق کا بارِ گراں تو کیا ہوگا

ہزار درد سمیٹے ہوئے ہوں اک دل میں
بکھر گئی جو تری داستاں تو کیا ہوگا

حیات کس کو دکھاؤ گی آبگینۂ دل
ملا نہ کوئی یہاں قدرداں تو کیا ہوگا

یہ دورِ زندگی ہے عجب دل شکن مگر
اس زندگی سے دل بھی چرایا نہ جائے گا

کون تھا جو مرے احساس کو روشن کرتا
عمر بھر صرف مرا دل ہی جلا ہے مجھ میں

تمام عمر بھٹکتے رہے جو راہوں میں
دکھا رہے ہیں وہی آج راستہ مجھ کو

چھونے سے کبھی بادِ صبا کے مرے تن کو
اک برق سی لہرائے تو لگتا ہے کہ تم ہو

دھوپ کا صحرا نظر آتا ہے اب چاروں طرف
آپ تو ہر پیڑ کا سایہ اٹھا کر لے گئے

اب وہی ذرّے ہمارے حال پر ہیں خندہ زن
آسماں تک جن کو ہم اونچا اٹھا کر لے گئے

(ابر احسنی نے استاد کی یاد میں ایک ماہنامہ "احسن" بھی جاری کیا۔ وہ ۱۹۲۵ء سے آل انڈیا مشاعروں میں مدعو کئے جانے لگے تھے۔ ۱۹۷۳ء میں یو پی گورنمنٹ نے ۶۰۰ سو روپئے سالانہ کا ادبی وظیفہ بھی دیا۔ جوش ملسیانی تلمیذ داغ دہلوی نے "سحابِ سخن" کے خطاب سے سرفراز کیا۔

(کاروانِ ابر)

اک یاد کی خوشبو سے مہکی مری تنہائی
تم نے تو جدا ہو کر کی اور مسیحائی

بارہا کوچۂ جاناں سے مرے ساتھ حیات
سونی سونی سی ہر اک راہ گزر آئی ہے

ہم کر سکیں نہ جن کا تصور بھی اے حیات
دیکھے ہیں وہ نگاہ نے منظر کبھی کبھی

تمہارے ملنے کی ہر آس آج ٹوٹ گئی
تمہیں بتاؤ کہ اب کس طرح جیا جائے

قاتل دکھائی دے وہ مسیحا دکھائی دے
ہر لمحہ اس کا روپ بدلتا دکھائی دے

شہر ہوس میں آج محبت کی قدر کیا
ہر شخص خواہشات کا بندہ دکھائی دے

گھر سے جو شخص بھی نکلے وہ سنبھل کر نکلے
جانے کس موڑ پہ کس ہاتھ میں خنجر نکلے

رہبرو! تم نے تو منزل کا پتہ بھی نہ دیا
تم سے بہتر تو مری راہ کے پتھر نکلے

شاید مرا احساس ہی سب کچھ ہے کہ دنیا
صحرا سی لگے ہے کبھی جنت سی لگے ہے

کیا کہیے حیات آج ہے وہ دورِ جنوں خیز
چہرے پہ ہر اک فرد کے وحشت سی لگے ہے

اب دوا مانگے ہے کوئی نہ شفا مانگے ہے
دل کی ہر چوٹ ابھرنے کی دعا مانگے ہے

گُل تو گُل، خار بھی دامن میں نہیں اپنے حیاتؔ
کیا بہاروں کو غرض سوختہ ساما نوں سے

ماخذ:۔ کاروانِ ابر۔

درخشاںؔ

نام و تخلص آر۔ کے۔ درخشاںؔ تھا۔ بجنور وطن تھا۔ کلام اکثر رسالہ "خاتونِ مشرق" میں شائع ہوتا تھا۔ بقول صاحب "شاعراتِ اردو"۔۔۔ آپ کی زبان صاف و سادہ اور اندازِ بیان پُر کیف اور پُراثر ہے اس سے زیادہ معلومات حاصل نہ ہو سکی۔

نمونۂ کلام

گدا تیرے در کا بننا چاہتی ہوں
محبت میں تیری فنا چاہتی ہوں

کہاں اب وہ رودادِ غم مجھ سے آ کے
تصوّر میں لیکن سُنا چاہتی ہوں

ہوا کس طرح قلبِ تاریک روشن
عیاں رازِ پنہاں کیا چاہتی ہوں

کہا آ کے گلشن میں بلبل نے ہنس کر
میں پھولوں سے دامن بھرا چاہتی ہوں

ہوئی محفلِ شوق تاریک میری
تجھے دل میں جلوہ نما چاہتی ہوں

کہانی مرے غم کی بکھری ہوئی ہے
غمِ عہد یکجا کیا چاہتی ہوں

نہ دیکھے تصور میں بھی کوئی تجھ کو
لطافت میں ایسی چھپا چاہتی ہوں

گناہوں کا نظروں پہ اتنا اثر ہے
میں بحرِ خجل میں بہا چاہتی ہوں

درخشاںؔ مرے شعر ہیں دل کے ٹکڑے
میں کاوش کا اپنی صلا چاہتی ہوں

ماخذ:۔ شاعراتِ اردو صفحہ ۳۹۲

راحے

مایا کھنہ نام اور راحے تخلص ہے۔ والد کا اسم گرامی نہال سنگھ تھا ۲۸ جنوری ۱۹۴۶ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئیں۔ بریلی وطن ہے۔ محلہ ذکا تی (بریلی) میں رہتی ہیں۔ شاعری کا ذوق عرصے سے ہے۔ آل انڈیا مشاعروں میں شرکت کرتی ہیں۔ آواز بڑی مترنم ہے۔ کلام اکثر رسائل میں بھی شائع ہوتا ہے۔ اور ریڈیو سے بھی نشر ہوتا ہے۔ تین شعری مجموعے۔ "سلگتے پھول ڈھلکتے آنسو" (۱۹۷۳ء) "مشاہداتِ عالم" اور "خلوصِ بیکراں" شائع ہو چکے ہیں۔

نمونہ کلام

ہر ایک گام ملے ہیں جواہرات کے ڈھیر
مگر خلوص کی دولت نظر نہیں آتی

شروعِ راہِ وفا سے رہِ انا الحق تک
جنوں کہاں تیری عظمت نظر نہیں آتی

رہِ طلب میں اندھیروں کو کوسنے والے
کسی نے دل بھی جلایا ہے روشنی کیلئے

یاد آئے گی کل وفا اس کو
کون اس بے وفا کو سمجھائے

وہ جس میں التفات و محبت کی تھی چمک
اک بات اور کہئے اسی بات کی طرح

بنتی ہے ان سے بات بگڑتی ہے ان سے بات
یعنی ہر ایک بات ہے تقدیر کی طرح
شامِ فراق ان کے تصور کی دین ہے
ہر سانس پھیل جائے گی تنویر کی طرح

جب تک الفت جواں نہیں ہوتی
زندگی جاوداں نہیں ہوتی
جب وہ ہوتے نہیں ہیں پاس مرے
کہکشاں کہکشاں نہیں ہوتی
آپ اور میرے پاس نا ممکن
خاکِ پا آسماں نہیں ہوتی

ہمارا خون بھی حاضر ہے اے خرد مندو
تمہارے دور کی بے کیف زندگی کیلئے
فقیہہ شہر سے میرا سلام کہہ دینا
کہ زندگی بھی عبادت ہے زندگی کیلئے

اُن کا خیال اور میں دل سے بھلا سکوں
یہ بات اب کہاں ہے مرے اختیار کی
شاید لٹے گا راہ میں پھر کوئی کارواں
اک شکل کہہ رہی ہے یہ گرد و غبار کی
راجے بتا دے بڑھ کے ذرا اتحاد کو
آواز آ رہی ہے ابھی انتشار کی

قطعات :-

یوں پریشاں ہے وہ زمانے میں
جو بھی محتاج ہے سہارے کا
ایک بزدل کو جس طرح طوفاں
بھید دیتا نہیں کنارے کا

دورِ عشرت کے کچھ حسیں سپنے
اِس طرح آنکھ میں سماتے ہیں
جس طرح اِک یتیم بچّے کو
اپنے ماں باپ یاد آتے ہیں

راہِ غربت میں اس طرح راتجے
ساتھ اپنوں کا چھوٹ جاتا ہے
جیسے آکاش کی بلندی سے
یک بیک تارہ ٹوٹ جاتا ہے

شامِ فرقت میں دل مرا تجے
اِس اداسے اداس رہتا ہے
جس طرح اک شریف انساں کو
اپنی عزّت کا پاس رہتا ہے

تنگ کرتی ہے جو خیالوں کو
ایسی ہر شے سے عار ہے مجھ کو
شیخ میرا نہ برہمن میرا
نوعِ انساں سے پیار ہے مجھ کو

چشمِ بینا پہ فخر ہے مجھ کو — اپنے دل پر بھی ناز کرتی ہوں
سر جھکا کر درِ محبت پر — خود کو میں سرفراز کرتی ہوں

ماخذ:- مشاہداتِ عالم

رازؔ

ایثار سلطانہ نام اور رازؔ تخلص تھا۔ آپ گورنمنٹ گرلز نارمل اسکول بدایوں میں معلمہ تھیں۔ بدایوں میں ۱۹۴۳ء میں ہونے والے زرعی و صنعتی نمائش کے مشاعرے میں بھی آپ شریک ہوئی تھیں۔ اس مشاعرے میں اس دور کے تمام نامور شعرا شریک ہوئے تھے۔ یہ مشاعرہ طرحی تھا۔

رازؔ کا کلام رسائل و جرائد میں کثرت سے چھپتا تھا۔ خاص طور پر "خاتونِ مشرق" میں غزلیں اور نظمیں اکثر شائع ہوتی تھیں۔ محشرؔ بدایونی نے "محفلِ خواتین" میں آپ کا کلام درج کیا ہے۔

نمونۂ کلام

گُل کھلاتی ہے نسیمِ سحری گلشن میں
غنچۂ دل کو کھلاؤں وہ صبا بن جاؤں

عارضِ زرد پہ بہتے ہوئے اشکوں کی قسم
میں ان اشکوں کے سکھانے کو ہوا بن جاؤں

نام کی لاج رکھوں ملک پہ قرباں ہو کر
یعنی اک پیکرِ تسلیم و وفا بن جاؤں

اپنی طاقت سے بدل دے یہ نظامِ عالم
آج بندے کی یہ خواہش ہے خدا بن جاؤں

اور کچھ مجھ کو نہیں چاہیئے یارب لیکن
یہی خواہش ہے کہ ہر دکھ کی دوا بن جاؤں

یہ سکوں پرور خموشی یہ شباب انگیز رات
مندمل زخموں کو پھر ابھرا ہوا پاتی ہوں میں
لُٹ چکا مدت ہوئی سرمایۂ صبر و سکوں
منتشر اب تک نظامِ آرزو پاتی ہوں میں
زندگی کیا ہے فقط ٹوٹا ہوا اک ساز ہے
جس کے ہر اک راگ کو پُر سوز ہی پاتی ہوں میں

میرے پیشِ نظر رنگینیاں ہیں بزمِ امکاں کی
کبھی کانٹے چُنے ہیں نے کبھی سیرِ گلستاں کی
دوا کیسی دُعا بھی مانگنے والا نہیں کوئی
تو پھر ایسے میں کیا امید ہو بیمارِ ہجراں کی

نظم "کیا کروں تو ہی بتا اے قلبِ مضطر کیا کروں" کے دو بند

یہ گھٹائیں کالی کالی اور یہ سرمستیاں
یہ ہوائیں ٹھنڈی ٹھنڈی اور یہ رنگینیاں
یہ ردائے نیلگوں اور میری یہ بیتابیاں
کیا کروں تو ہی بتا اے قلبِ مضطر کیا کروں

ہر قدم پر بانیانِ شر ہیں میرے روبرو
ظلم و استبداد کے پیکر ہیں میرے روبرو
غربت و افلاس کے منظر ہیں میرے روبرو
کیا کروں تو ہی بتا اے قلبِ مضطر کیا کروں

ماخذ :- گلدستہ مشاعرہ بدایوں ۱۹۴۳ء، محفلِ خواتین۔

رضیہ

نام معلوم نہ ہو سکا۔ تخلص رضیہ تھا۔ بریلی کی رہنے والی تھیں۔ ایک[1] غزل دستیاب ہو سکی۔

نمونۂ کلام

نہ کشش ہے منظرِ عام میں، نہ فروغ روئے سحر میں ہے
نہ ضیا ہے اب وہ نجوم میں، نہ جمال نورِ قمر میں ہے

مرے اختیار میں یہ نہیں، مری نیرہ تجھے روک لوں
نہ ہے درد دل کی کوئی دوا، نہ اثر دعائے سحر میں ہے

وہی فرطِ حسرت و یاس بھی وہی رنج و غم کا ہجوم بھی
وہی درد ہے دلِ زار میں، وہی جوش دیدۂ تر میں ہے

ہے زبان کس لئے نالہ کش ہیں یہ چشم کس لئے خونچکاں
یہ تپش سی کیسی ہے قلب میں یہ خلش سی کیسی جگر میں ہے

تری یاد مجھ کو ستائے گی، ترا ہجر خون رلائے گا
مجھے وقت ہے جو آئے گا، وہ ابھی سے میری نظر میں ہے

رہے نالہ کش تو عجب ہے کیا، کرے رضیہ درد کو ضبط کیا
نہ کمی ہے سوز و گداز میں، نہ سکون قلب و جگر میں ہے

---

[1] بزمِ خواتین از فاروق محشر بدایونی

زہرا

اُم زہرا ہاشمی نام اور زہرا تخلص تھا۔ آپ ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئیں۔ والد کا اسم گرامی مولوی ضمیر الاسلام ہاشمی تھا۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق آپ کی بھی تعلیم اسکول میں نہیں ہوئی۔ گھر پر ہی قرآن پاک اور اُردو کی کتب کا مطالعہ کیا۔ آپ بدایوں کے ایک معزز تعلیم یافتہ گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ جس کے اثرات آپ کی شخصیت سے بھی ظاہر تھے۔ آپ نہایت نرم دل، نیک باطن، خدا ترس، وفا شعار اور مہذب مشرقی خاتون تھیں

زہرا کی توجہ اوائل عمر سے ہی شعر و شاعری کی طرف تھی۔ اساتذہ کے کلام کے مطالعہ کا شوق ابتدا سے تھا۔ جام[1] نوائی سے شادی کے بعد اس ذوق کو مزید جِلا ملی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کا شمار ہندوستان کی چند اُن شاعرات میں ہونے لگا جو "عصمت" جیسے مقبول رسالے میں جگہ پاتی تھیں۔

زہرا کا ایک واقعہ خاص طور پر مشہور ہے کہ ایک بار جام نوائی سخت علیل ہو گئے۔ تو بیمار شوہر کے سرہانے" کے عنوان سے انہوں نے ایک نظم لکھی جس میں یہ دعا کی گئی تھی کہ یا الہ العٰلمین تو میرے شوہر کو اچھا کر دے اور اُن کے بدلے میں مجھے اٹھالے۔ یہ دُعا اتنی مقبول ہوئی کہ جام

---

[1] ظفر یاب حسین صاحب جام نوائی خلف حاجی ارشاد حسین برنی ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر سے شعر کہتے تھے۔ اپنے جد امجد نواب ظہور اللہ نوا کی نسبت سے خود کو نوائی لکھتے تھے۔ مولوی زلالی بدایونی (تلمیذ حالی) کے شاگردوں میں تھے۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۸۰ء کو اسلام آباد میں انتقال ہوا۔ (تذکرہ شعرائے بدایوں جلد اول)

لواقؔی صحت یاب ہونے لگے ۔ اور وہ رفتہ رفتہ بیمار ہونے لگیں۔ علاج و معالجہ سب بے کار ثابت ہوا۔ اور یہ وفا شعار بیوی اور قادر الکلام شاعرہ ۲ اکتوبر ۱۹۴۲ء کو مالکِ حقیقی سے جا ملی۔ زہرؔا کی بیماری کے دوران جاؔم لواقؔی نے بھی ایک نظم بعنوان "رحم کی بھیک"[1] لکھی تھی جس میں بیوی کی صحت کے لئے دعا کی گئی تھی۔

انھوں نے تقریباً ہر صنفِ شاعری میں طبع آزمائی کی لیکن ان کی مقبولیت نظموں کی وجہ سے تھی۔ کلام میں زبان و بیان کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ درد و اثر سوز و گداز ہے۔

نمونہ کلام

نظم "میرے بعد"[2]

چند منتخب اشعار۔

جاں گسل ہے یہ تخیل کس قدر میرے لئے
بعد میرے تم رہو گے نوحہ گر میرے لئے

شدّتِ غم میں بہیں گے سُرخ آنسو آنکھ سے
خون روئے گی تمہاری چشمِ تر میرے لئے

دیکھکر روتے تمہیں میری لرز جاتی ہے روح
ہے تمہارے دل پہ صدمہ کس قدر میرے لئے

کیا کروگے بعد میں جب آج میرے جیتے جی
ہو پریشاں اور غمگین اس قدر میرے لئے

---

[1] یہ نظم "عصمت" کے نومبر ۱۹۴۲ء کے شمارہ میں شامل ہے۔
[2] یہ ایک طویل نظم ہے۔ جو ان کی وفات کے بعد جاؔم لواقؔی کے تکیے میں ملی تھی۔

کون سمجھائے گا تم کو موت ہے ہر ایک کو
بن نہ سکتے تھے "قوانین" دگر میرے لئے
میں ہوئی قربان تم پر فرض تھا میرا یہی
تم کو واجب ہے جیو تم عمر بھر میرے لئے
سو نپتے رہنا مجھے قرآن پڑھ پڑھ کر ثواب
بھیجنا ہدیہ یہ ہر شام و سحر میرے لئے
میرے بچوں سے محبت کرتے رہنا عمر بھر
جانتے رہنا انہیں نورِ نظر میرے لئے
آہ یہ میری ضعیف اماں تمہاری والدہ
روئیں گی اب زندگی بھر کس قدر میرے لئے
آہ دل ہے کتنا ننھا سا مرے مہتاب[1] کا
آہ یہ تڑپا کرے گا کس قدر میرے لئے
گھر میں ہر سو ایک ویرانی سی ہوگی جلوہ گر
آدمی کیا، روئیں گے دیوار و در میرے لئے
میں تمہاری تھی، تمہاری ہوں اور اس کے بعد بھی
تم ہی ہو گے خلد و فردوسِ نظر میرے لئے
بعد عمرِ خضر جب آ کر ملو گے مجھ سے تم
اور جب جنت میں ہوگی یہ خبر میرے لئے
تم کو گل گاہِ وفائے جاوداں میں لاؤں گی
ساتھ میں حوروں کے نغماتِ مسرت گاؤں گی

---

[1] آپ کے صاحبزادے۔ مہتاب ظفر

نظم "محسنِ اعظم؎ کی یادیں" سے

تری تحریر تھی آئینۂ رودادِ مظلوماں
نمایاں دردِ قومی تھا ترے ہر ہر مقالے میں
تری سعیِ عمل نے کی وہ شمعِ رہبری روشن
نظر آتا ہے سیدھا راستہ جس کے اجالے میں
بلندی پر بٹھایا اُن کو لا کر قعرِ پستی سے
کئے پیدا معانی "ہر زوالے را کمالے" میں
حیاتِ جاوداں ہے تیری تصنیفات کو حاصل
کتابت زندگی کی درج ہے تیرے رسالے میں
یہ کہہ کہہ کر زمانہ تا قیامت تجھ کو روئے گا
"خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں"

سالِ نو کا ترانہ

مبارک، مبارک کہ بدلا زمانہ — مسرت کا پھر ہاتھ آیا خزانہ
چمن پر کھنچا ابر کا شامیانہ — کلی کی چٹک کا بجا شادیانہ
اٹھو گائیں پھر سالِ نو کا ترانہ

پھر آئی رخِ لالہ و گل پہ لالی — ہوئی دور سبزے کی پھر پائمالی
عروسِ چمن نے نئی دھج نکالی — کیا پھر سے زلفوں میں سنبل نے شانہ
اٹھو گائیں پھر سالِ نو کا ترانہ

؎ یہ نظم علامہ راشد الخیری کی وفات پر لکھی تھی۔

نیا جام ہر ایک گل لے کے آیا — نیا رنگ اطرافِ گلشن پہ چھایا
نیا چشمِ نرگس نے انداز پایا — نیا بلبلِ خوشنوا کا ہے گانا
اٹھو! گائیں پھر سالِ نو کا ترانہ

کہاں وہ تماشائے دورِ کہن ہے — کلی نو شگفتہ نئی اک دلہن ہے
سجی چھب [illegible] در پر انجمن ہے — [illegible] طرف ہے نیا کارخانہ
اٹھو! گائیں پھر سالِ نو کا ترانہ

یہاں اب تو کچھ رنگ ہی اور ہوگا — نرالا ہر اک بات کا طور ہوگا
نیا سال آیا نیا دور ہوگا — لٹے گا مضامینِ نو کا خزانہ
اٹھو! گائیں پھر سالِ نو کا ترانہ

نئی شمع ہوگی نئی نور باری — نیا علم ہوگا نئی دستکاری
نیا چشمۂ فیض پھر ہوگا جاری — ہیں عصمت کو پھر کچھ نئے گل کھلانا
اٹھو گائیں پھر سالِ نو کا ترانہ

ماخذ:- ۱۔ تذکرہ شاعراتِ اردو ۲۔ تذکرہ شعرائے اتر پردیش ۹

زہرہ نگاہ انڈوپاک کی معروف شاعرہ ہیں۔ اور وہ اپنے مخصوص لہجے کی وجہ سے پہچانی جاتی ہیں۔ آباؤ اجداد کا وطن بدایوں ہے۔ والد ماجد کا اسمِ گرامی قمر مقصود تھا۔ جو میونسپل بورڈ بدایوں کے سابق چیئرمین علی مقصود کے چھوٹے بھائی تھے۔ زہرہ کی والدہ حیدرآباد کی تھیں اور نشاد یار جنگ مزاج کی دختر تھیں۔ مزاج شاعری کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ اور اس دور کے معروف شعراء سے ان کے مراسم تھے۔ ۱۹۴۹ء میں

اپنے خاندان کے ہمراہ کراچی چلی گئی تھیں۔ ان کے شوہر ماجد علی پاکستان میں سی۔ ایس۔ پی آفیسر تھے۔

شاعری کا ذوق بچپن سے ہے۔ ایک بار جگر مراد آبادی نے آپ کی غزل سن کر کہا تھا کہ "تم یوں ہی کہتی رہو۔ اور کسی سے مشورۂ سخن نہ کرو تمہارا ذوق خود تمہارے کلام کی اصلاح کر دے گا"۔ خاندانی ماحول ادبی تھا۔ آپ کے ماموں علی اختر حیدر آبادی تھے۔ نانا اور ماموں کی قربت نے آپ کی فکر کو بلندی عطا کی۔ آج وہ اردو کی مستند شاعرہ ہیں۔ ان کے کلام کے کئی مجموعے زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ کلام ترنم سے سناتی ہیں۔ کلام میں زور و اثر ہے۔ طنزیہ اشعار بھی آپ کے یہاں خوب ملتے ہیں۔

نمونہ کلام

اپنا ہر انداز آنکھوں کو تر و تازہ لگا
کتنے دن کے بعد مجھ کو آئینہ اچھا لگا
میں تو اپنے آپ کو اس دن بہت اچھی لگی
وہ جو تھک کر دیر سے آیا اسے کیسا لگا

اک وسعتِ خیال کہ لفظوں میں گھر گئی
لہجہ کبھی جو ہم کو کرم آشنا ملا

اپنے ہونٹوں کی اک ہنسی کے لئے
کتنی آنکھوں کو اشکبار کیا
کوئی آیا نہ خوش گیا کوئی
جیتے جی غم کو غمگسار کیا

اُس نے آہستہ سے زہرہ کہہ دیا دل کھل اُٹھا
آج سے اس نام کی خوشبو میں بس جائینگے ہم

کلی اُداس، چمن سوگوار، گُل خاموش
یہ انتظارِ بہاراں ہے دیکھئے کیا ہو
بھڑک رہا ہے ابھی تک چراغِ آخرِ شب
اُسے بھی صبح کا ارماں ہے دیکھئے کیا ہو

دلوں کے زخم چھپاؤ ہنسی کو عام کرو
یہ حکم ہے کہ بہاروں کا احترام کرو۔

خوش جو آئے تھے شیشہ میں سے گئے
اے تغافل تجھے پہچان گئے
خوب ہے صاحب تمہاری بھی ادا
کوئی بولا تو بُرا مان گئے
کوئی دھڑکن ہے نہ آنسو نہ اُمنگ
وقت کے ساتھ یہ ارمان گئے

صبر و ضبط کے لیکر بے شمار نذرانے
تیری یاد آئی تھی آج مجھ کو سمجھانے
پا گئے ہیں منزل کو خود بخود ہی دیوانے
عقل کے دوراہے پر کھو گئے ہیں فرزانے
تم نے بات کہہ ڈالی کوئی بھی نہ پہچانا
ہم نے بات سوچی تھی بن گئے ہیں افسانے

سینوں میں سوزِ سازِ محبت نہیں رہا
دنیا رہینِ گردشِ حالات ہو گئی
لو دو بتوں نے دیکھ لیا ناخدا کو آج
تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات ہو گئی
بہکے ہوئے بھٹکتے ہوئے کارواں کی خیر
رہبر سے راہزن کی ملاقات ہو گئی

یہ بھی نذرِ ستم گردشِ دوراں ہو جائے
یوں بہار آئے کہ دل اور بیاباں ہو جائے
دل کی دنیا سے خوشی چھین کے جانے والو
کچھ نہ کچھ دل کے بہلنے کا بھی ساماں ہو جائے

ہم جو پہنچے تو رہ گزر ہی نہ تھی　　　تم جو آئے تو منزلیں لائے

کہاں کے عشق و محبت، کہاں کے ہجر و وصال
ابھی تو لوگ ترستے ہیں زندگی کیلئے
جہانِ نو کا تصورِ حیاتِ نو کا خیال
بڑے فریب دیئے تم نے بندگی کیلئے

جدائیاں تو یہ مانا بڑی قیامت ہیں
رفاقتوں میں بھی دکھ کس قدر ہے کیا کہئے
حکایتِ غمِ دنیا طویل تھی کہہ دی
حکایتِ غمِ دل مختصر ہے کیا کہئے

شکوۂ دار و رسن باعثِ رسوائی ہے   ہم نے ہر حال میں جینے کی قسم کھائی ہے

ماخذ:۔ چاندنی اور پھول   "تذکرہ شعرائے بدایوں"

قمر سلطانہ

زیبا

اُردو ادب کی درسگاہ رامپور کو بھی تسلیم کیا جاتا رہا ہے۔ زیبا اسی سرزمین سے تعلق رکھتی تھیں۔ خلیل خاں کی شریکِ حیات تھیں۔ غزل خوب کہتی تھیں۔ غزل میں تغزل، سادگی اور حسنِ خیال کی خوبیاں جلوہ گر ہیں۔ کلام شائع ہوتا تھا۔

نمونۂ کلام

آنکھوں کو وقفِ حسرتِ دیدار کیوں کریں
اُن کو نہیں ہے پیار تو ہم پیار کیوں کریں

بہتر یہی ہے خود ہی نشیمن اُجاڑ لیں
گلچیں کو اپنی شکل سے بیزار کیوں کریں

اُن کو کسی غریب کی دنیا سے کیا غرض
سوئے ہوئے نصیب کو بیدار کیوں کریں

جب ہم سمجھ گئے کہ یہ سجدہ نہیں قبول
پھر ہم طوافِ کوچۂ دلدار کیوں کریں

پہلو میں اک کسک سی تو ہوتی ہے اُف مگر
اُن سے غرض نہیں ہے تو اظہار کیوں کریں

زیبؔا خلیل خاں سے محبت یہ کیا کہا
ہے اُن کو چھوڑنا تو گرفتار کیوں کریں

مریضِ عشق ہوں دم بھر مجھے قرار نہیں
مگر میں کیا کروں تم پر کچھ اختیار نہیں

جلا چکی ہوں نشیمن بہار سے پہلے
مری تباہیاں شرمندۂ بہار نہیں

تری نگاہِ ستم پر ہزار جاں سے نثار
خیالِ ہجر بھی اب مجھ کو ناگوار نہیں

تمام عمر اسی دھن میں کٹ گئی زیبؔا
شریکِ حال نہیں کوئی غمگسار نہیں

ماخذ :- محفلِ خواتین صفحہ ۲۰۲ ۲۴۰

ساجدہ

ساجدہ بیگم نام، ساجدؔہ تخلص تھا۔ شاہجہاںپور کی رہنے والی تھیں۔ والد ماجد دانش شاہجہاںپوری کا شمار اس وقت کے اچھے شعرا میں ہوتا تھا ساجدہ اپنے نام کے ساتھ بنت دانش لکھتی تھیں۔ خواتین کے معروف رسالے "عصمت" میں آپ کا کلام اکثر شائع ہوتا تھا۔ "شاعراتِ اردو" میں آپ کا ذکر ملتا ہے۔ بقول مولف تذکرہ ہذا ساجدہ کے کلام میں سنجیدگی متانت اور زور و اثر موجود ہے۔

نمونۂ کلام

قطعات

جس سکونِ درد سے دنیائے دل ہے ہم کنار
ڈھونڈنا اس کا عبث ہے دامنِ تدبیر میں
خامۂ قدرت چلا اور ایک سوئی چل گیا
یہ مشیّت نے لکھی دولت مری تقدیر میں

رات میں مہتاب و انجم دن میں خورشید منیر
دیکھتے حسرت سے ہیں رنگِ دلِ حسرت اثر
دل یہ کہتا ہے ذرا صبر و تحمل ساجدہ
وہ ترے پیغام کی خاطر ہیں سرگرمِ سفر

(نظم)

"روحِ علامہ راشد الخیری سے"

نہ دستِ عقل میں دامانِ عفت و ناموس
زنانِ قوم کی حالت ہے قابلِ افسوس
وہ بڑھ رہی ہیں معاصی کی سمت روزانہ
ہیں اس قدر مددِ کردگار سے بیزار
نماز و روزہ تمسخر، زکوٰۃ و حج ہیں مذاق ۱ مشاعرہ
اصولِ مذہبِ اسلام طرزِ دقیا اس گلدستے
فضائیں ناز و کرشمے ہیں دیدنی توبہ کے بارے میں
رہا قفس سے ہوا آج ط:

ضیائے علم بدن سے نہ بڑھ سکیں آگے
وہ کیا سنیں گے صدائے ضمیر محسوس
گو نامِ علم و ترقی پہ جان دیتے ہیں
سمجھ رہی ہوں مگر ہیں ترقی معکوس
یہ وقت ہے کہ کوئی دردِ قوم کا مارا
عروجِ زن کو کرے داد عقل سے مانوس
ہے یاد آپ کی ایسے ہیں راشد الخیری
مثالِ خضر بہ ناآشنائے راہِ نفوس
نظر آپ کا اب تک ہے کیا بس پردہ
زنانِ قوم بجاتی ہیں کفر کا ناقوس

سرور

وزیرِ اعظم ریاست بھوپال راجہ اودھ نرائن بسریا کی صاحبزادی راجکماری سورج کلا سہائے کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ۱۰ مارچ ۱۹۱۷ء کو پیدا ہوئیں۔ آپ نے ایسے خاندان میں پرورش پائی جو اُردو زبان و ادب کا شیدائی تھا۔ اور اُن کے یہاں مقتدر شعراء تشریف لاتے تھے۔ گھر کے ایسے ماحول نے راجکماری میں بھی شعری ذوق کا ذکر مد کر دیا۔ اور وہ ۹ سال کی عمر میں شعر کہنے لگیں۔ سرور تخلص اپنانت اور زادکر تعلیم کی ابتدا بھوپال سے ہوئی۔ اس کے بعد علی گڑھ سے B.A کیا۔ مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ اس لئے تعلیم بیری میں گذرتا تھا۔ آپ کے والد کا بھی بہت اچھا

کتب خانہ تھا۔

سرور کی شادی تلہر ضلع شاہجہانپور کے معروف خاندان کے فرد بابا گیشوری سہائے کے ساتھ ہوئی تھی۔ جو الہ آباد میں وکیل تھے۔ اس زمانے میں الہ آباد میں اردو کی ۲ انجمنیں "بزم روحِ ادب" اور "بزمِ ریاضِ ادب" قائم تھیں۔ بزمِ ریاضِ ادب" کی آپ روحِ رواں تھیں۔ یہ بزم بڑے بڑے مشاعرے منعقد کراتی تھی۔

ملکی سیاست میں بھی آپ کا دخل تھا۔ اور بڑے بڑے سیاسی رہنماؤں سے مراسم تھے۔ آپ مدھیہ پردیش اسمبلی کی ممبر (M.P) بھی رہیں۔

سنہ ۱۹۵۱ء میں آپ کا شعری مجموعہ "حریم ناز" شائع ہوا۔ آپ اردو کی پہلی ہندو خاتون صاحب دیوان شاعرہ ہیں۔ فراق گورکھپوری نے "حریم ناز" کے تعارف میں لکھا ہے۔

"سرور کے اشعار میں وہی بول ملیں گے جو ہمارے دلوں میں، ہمارے گھروں میں ہمارے کوچہ و بازار میں گونجتے ہیں۔"

دیوان کی طباعت کے بعد ہندو پاک کے معیاری رسائل میں اس پر تبصرے شائع ہوئے۔ آپ نے اپنے کلام پر ابتدائی مشورے رائے بہادر برج نرائن ناظم سے لئے جو آپ کے چچا تھے۔

سیتا پور کی "بزم ادب" کے ایک مشہور مشاعرے کی صدارت آپ نے ہی کی تھی۔ جس میں معروف شعراء نے شرکت کی تھی۔ اس مشاعرہ کی روداد اور انتخابِ کلام گلدستہ کی شکل میں شائع ہوا تھا۔ اس گلدستے پر ماہنامہ "مشاعرہ" لکھنو نے تبصرہ کرتے ہوئے سرور کے بارے میں تحریر کیا تھا۔

"اس کتابچے میں محترمہ سرور کی ایک مختصر سی غزل بھی ہے جو حاصلِ گلدستہ و مشاعرہ کہی جاسکتی ہے۔ سلاست، روانی، چستی، بندش، زبان اور فصاحت کو قطع نظر کرکے مغز از حاصل پر ہی اگر نظر کی جائے تو بے بہا سرمایہ سخن ہاتھ آتا ہے۔ پامال اور فرسودہ خیال کو اس طرح ادا کرنا کہ نئی روح پیدا ہوجائے سرور کا کمالِ شاعری ہے۔"

نمونہ کلام

نگاہِ شوق کیا جانے کہ ارمانوں پہ کیا گزری
نصیب کیا ہوش والوں کو کہ دیوانوں پہ کیا گزری
ہوئی کب شمع کو فرصت غرورِ خود پسندی سے
اسے اس کی بلا جانے کہ پروانوں پہ کیا گزری
کبھی جور و کرم عادت، کبھی لطف و ستم پیہم
محبت میں وفا کے پاک دامانوں پہ کیا گزری
گل اپنے رنگ و بو میں گم، بہار اپنی فضاؤں میں
اسے دیوانے ہی جانیں کہ دیوانوں پہ کیا گزری
کسی کو کیا خبر اس کی یہ قیس و کوہ کن جانیں
مری رودادِ غم سے ان کے افسانوں پہ کیا گزری
جنوں کو خود نہیں معلوم اپنی کارفرمائی
ہوا کیا آستینوں کو گریبانوں پہ کیا گزری
یہ چلی ایسی ہوا سرور اڑا رنگ آدمیت کا
یہ انساں ہی سمجھتا ہے کہ انسانوں پہ کیا گزری

چلے ہیں حضرت ناصح ذرا سا منھ لے کر
بڑے تپاک سے آئے تھے مجھکو سمجھانے
مرا مقام کہاں ہے کہاں مری منزل
مجھی کو خود نہیں معلوم غیر کیا جانے
تم اپنے دل کی کہانی سنا کرو سرورؔ
ہزار منھ ہیں جہاں ہیں ہزار افسانے

رہا اس طرح میں گم کردہ راہِ آرزو برسوں
کہ تیری جستجو میں کی ہے اپنی جستجو برسوں
جو اک کانٹا چبھا دل کے خزاں آلودہ دامن میں
مری آنکھوں سے ٹپکی ہے بہارِ رنگ و بو برسوں !!!

مجازی رنگ میں جو رنگِ عرفاں دیکھ لیتے ہیں
وہ اپنے کفر میں بھی نورِ ایماں دیکھ لیتے ہیں
چھپے جاتو نظر سے لاکھ دل سے چھپ نہیں سکتا
تری تنویر نزدیکِ رگِ جاں دیکھ لیتے ہیں
بس اتنی رہ گئی ہے اب قفس میں سرخیٔ گلشن
بہاریں یاد آتی ہیں تو داماں دیکھ لیتے ہیں

بے ثباتی میں بھی طبعِ زیست دامن گیر ہے
ہر قدم پر کچھ نہ کچھ ایجاد و جدت چاہیئے
ہم کو اس بے مائگی پر بھی تو سرورؔ ناز ہے
بس فقط اہلِ نظر کی کچھ عنایت چاہیئے

میری وفا نہیں کہ تمہاری جفا نہیں
سب کچھ ہے، اضطراب کے پردہ میں کیا نہیں

ہم ہیں کہ ہم نے ہائے تجھی کو بھلا دیا
تو ہے کہ پھر بھی ہم کو کبھی بھولتا نہیں

جب سے مجھے لگی ہے تری جستجو کی دُھن
کچھ ایسا کھو گیا ہوں کہ اپنا پتا نہیں

دعویٰ ہے اُن کا تجھ کو ملا دینگے خاک میں
یہ فرض کر لیا ہے کہ میرا خدا نہیں

مانا کہ بے شمار ہیں سرورؔ مرے گناہ
اُس کے کرم کی بھی تو کوئی انتہا نہیں

جنھوں نے لا کے منزل تک سرِ منزل نہ پہنچایا
وہ راہیں اب بھی لپٹی ہیں مرے دامانِ حسرت سے

ہو گئے خاموش مُرغانِ چمن
مڑ کے دیکھا تھا کہ صیّاد آ گیا

عشق کی دنیا بدل کر رہ گئی
آپ کا کوئی ستم یاد آ گیا

وہ میری سُن تو لیتے ہیں مگر خود کچھ نہیں کہتے
جو حائل تھا وہی پردہ ہے حائل درمیاں اب تک

کیسے احساس ہو تم کو مری دشواری کا
جو تمہیں سہل تھا میرے لئے مشکل ہے وہی

آدمی کیلئے کچھ بھی نہیں مشکل سرورؔ
جس کو مشکل وہ سمجھ لیتا ہے مشکل ہے وہی

یہ کس نے میرا افسانہ سنا دیا اُن کو
انہیں یہ دھن ہے یہی داستاں سنائے جا

اُس کے ہر باب کا تھا خونِ تمنّا عنواں
اور سُرخی نہ ملی عشق کے افسانے میں
تشنہ لب اُٹھ گیا شاید کوئی میکش ساقی
خاک اڑتی جو نظر آتی ہے میخانے میں

کیا خبر تھی کہ ترے عشق میں ایسا ہوگا
دل جو ہر حال میں اپنا تھا پرایا ہوگا
ہر قدم راہ تو ہر راہ بنے گی منزل
دیکھئے جاؤ سفر میں ابھی کیا کیا ہوگا

دُھواں دل سے اُٹھے تو یہ جان لینا
چراغِ سحر تھا بجھایا گیا ہے

ماخذ:۔ اردو کی پہلی صاحب دیوان ہندو شاعرہ (حریم ناز)
ماہنامہ نفیس ادب دسمبر ۷۷ء

سمن

رُباب صدیقی نام، سمن تخلص ہے۔ بدایوں وطن ہے۔ آپ کی ایک غزل ماہنامہ شمع (دہلی) ستمبر ۱۹۷۶ء کی اشاعت میں شائع ہوئی تھی۔ یہ غزل انہوں نے جدہ سعودی عرب سے ارسال کی تھیں۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اب کہاں مقیم ہیں۔

نمونہ کلام

اس رنج و الم کے عالم میں افسوس ہمارا کوئی نہیں
مرنے کے سہارے کتنے ہیں جینے کا سہارا کوئی نہیں

کل تک جو ہمارے ہمدم تھے وہ آج ہوئے ہیں بیگانے
یہ جان کے اب ہم چونکے ہیں دنیا میں ہمارا کوئی نہیں
اس رات کے کالے آنچل میں سورج کی شعائیں ڈوب گئیں
منزل بھی نظر سے دور ہے اور رہبر بھی ہمارا کوئی نہیں
اس صحنِ گلستاں کا ہم نے دستور نرالا دیکھا ہے
پھولوں کے سہارے لاکھوں ہیں کانٹوں کا سہارا کوئی نہیں
طوفاں سے بھری ان موجوں میں امید کی کشتی ڈوب گئی
تنکا بھی نہیں ہے ہاتھوں میں اب پاس کنارا کوئی نہیں
کانٹوں کی زباں بھی خشک ہوئی پھولوں کے بھی چہرے اترے ہیں
تا حدِ نظر گلشن میں کہیں رنگین نظارہ کوئی نہیں
اک ڈوبنے والے انساں کو تنکے کا سہارا کافی ہے
اس درد بھری دنیا میں سمن اپنا تو سہارا کوئی نہیں

سمن

سمن کماری سمن بریلی کی رہنے والی ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ ملک کے بڑے بڑے مشاعروں میں شریک ہوتی تھیں۔ ترنم بڑا دلکش ہے۔ اب کچھ عرصے سے مشاعروں میں نظر نہیں آتیں۔ یکم فروری ۱۹۶۱ء کو جشنِ جمہوریت کے سلسلے میں بدایوں میں منعقد مشاعرے میں جس میں شکیل بدایونی نے بھی شرکت کی تھی۔ سمن بھی شریک ہوئی تھیں۔ اس مشاعرہ کی روداد "پروانہ" بدایوں نے بہ شکل "مشاعرہ نمبر" شائع کی تھی۔

نمونۂ کلام

پیرہن زندگی کے رہے پیرہن — موت کے پیرہن کو کفن کہہ دیا
بیقراری کا اپنی کہیں کیا سبب — جس نے پوچھا تو دل کی لگن کہہ دیا
اس طرح کچھ بہے آنکھ سے اشکِ غم — کہنے والوں نے گنگ و جمن کہہ دیا

جوشِ فرطِ محبت سے ہم نے بھی
ماجرائے محبت سمن کہہ دیا

سوز

شمیم آرا نام اور سوز تخلص تھا۔ بریلی کے مشہور سادات خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ سوز کے والد کا اسم گرامی سید یوسف علی تھا۔ جن کا شمار بریلی کے مشہور وکلا میں ہوتا تھا۔ سوز ۱۹۱۷ء میں پیدا ہوئیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے اردو میں ایم۔ اے کرنے کے بعد گورنمنٹ گرلز کالج بریلی میں اردو کی لکچرار مقرر ہوگئی تھیں۔ آزادی کے بعد پاکستان چلی گئی تھیں۔

ادبی ذوق غیر معمولی تھا۔ مگر اس کے اظہار کے مواقع پروفیسر سعیدہ جہاں مخفی کی توجہ سے آپ نے ترقی کی منازل طے کیں۔ سوز کے حالات و کلام اس سے زیادہ دریافت نہ ہو سکے۔

نمونۂ کلام

تری سرگرمیوں ہی میں بقا ہے — فنا کے بعد ہی وصلِ خدا ہے
تڑپ کر دل دکھا دے اپنے دَم خم — اگر کچھ آرزوئے ارتقا ہے

تری ہر بات اک جاں بخش افسوں
قیامت خیز تیری ہر ادا ہے

قضا شکانِ دنیائے وفا سے
سبق مر مر کے جینے کا لیا ہے

جنونِ عشق میں وارفتگی ہی
کسی کے دردِ پنہاں کا پتا ہے

طریقِ عشق میں وہ نقشِ پا ہوں
ارادہ مٹ کے اُٹھنے کا کیا ہے

ماخذ:۔ گلدستہ مشاعرۂ نسواں بعنوان "بہارِ سخن" (غیر مطبوعہ)

سوسن

یاسمین فاطمہ نام، اور سوسن تخلص ہے۔ والد ماجد کا نام عبد الزوار ہے ۸ مئی ۱۹۶۶ء کو ضلع مرادآباد کے مشہور قصبے سنبھل میں پیدا ہوئیں۔ معروف شاعر اعجاز وارثی[1] سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ زیادہ معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔

نمونۂ کلام

آج پھر اپنی شرافت کی قسم کھائی ہے
عزّت و عصمت و عفت کی قسم کھائی ہے

سرگراں ہو گیا پھر آج مرا دل اُن سے
آج پھر ترکِ محبّت کی قسم کھائی ہے

---

[1] اعجاز حسین وارثی نام اعجاز تخلص ہے۔ والد کا نام احمد حسین تھا۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں سنبھل ضلع مرادآباد میں پیدا ہوئے۔ احسن مارہروی سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ کئی کتابیں زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ (ش۔ذ) ماخذ آپ ہیں ۸ مئی ۱۹۸۸ء

تیری بیگانہ وشی تجھ کو سلامت لیکن
ہم نے خودداریٔ فطرت کی قسم کھائی ہے
چھوڑ دیں گے ترا دامن نہ مگر بھولیں گے
اپنی الفت تری نفرت کی قسم کھاتی ہے
ہم کو بے مہریٔ ایام سے کیا ہے شکوہ
ہم نے خود اپنی ہی قسمت کی قسم کھائی ہے
اک نظر نے مجھے لوٹا ہے قیامت بن کر
یوں ہی اب ہم نے قیامت کی قسم کھائی ہے
خانۂ دل کو تری یاد سے پُر رکھیں گے
کیوں کہ اک نظرِ عنایت کی قسم کھائی ہے

تشنہ کامی میں لہو دل کا پئے جائیں گے
شوقِ بیہم تجھے سرشار کئے جائیں گے
نہ ہو سوسن کا سہارا کوئی دنیا میں نہ ہو
قلبِ مضطر تجھے تسکین دئیے جائیں گے

شانؔ

سیّدہ شفق آرا نام اور شانؔ معراج تخلص ہے۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۴۶ء کو شاہجہانپور میں پیدا ہوئیں۔ والد کا اسمِ گرامی سیّد اشفاق حسین تھا۔ شاعری سے لگاؤ عرصے سے ہے۔ آپ کے شوہر سیّد رونق رضا رونقؔ بھی شاعر ہیں[1]۔ سیّدہ شان معراج کا کلام ملک کے معیاری اخبارات و رسائل میں اکثر شائع ہوتا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ مشاعروں میں بھی

---

[1] افسوس کہ رونقؔ رضا کا پچھلے دنوں انتقال ہوگیا۔

شرکت کرتی ہیں۔ معروف شاعر رباب رشیدی[1] سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔

نمونۂ کلام

کاٹ دی وقت نے زنجیرِ تعلق کی کڑی
اب مسافر کو کوئی روکنے والا بھی نہیں

پھر نہ یادوں کے کہیں بند دریچے کھل جائیں
مدتوں سے تری تصویر کو دیکھا بھی نہیں

مرے اپنے حسد رکھتے ہیں مجھ سے
مری دشمن مری اچھائیاں ہیں
کبھی دیکھا تھا ہم نے شان اُن کو
نظر میں آج تک رعنائیاں ہیں

مڑ مڑ کے دیکھتی وہ نظر کیا گئی مجھے
اک مرکزِ حیات پہ ٹھہرا گئی مجھے
اُس کی ہر ایک بات پہ کرنا پڑا یقیں
آج اپنی سادگی پہ ہنسی آ گئی مجھے

ترے احساس کو پیکر میں مجسم کر کے
دیکھتے ہیں تجھے دیدار کے پیاسے کیسے
تشنگی نے کوئی احسان گوارا نہ کیا
ہم رہے آ کے سمندر پہ بھی پیاسے کیسے
ہم تو آندھی میں بھی جلتے رہے کل تک لوگو!
بجھ گئے آج مگر نرم ہوا سے کیسے

---

[1] رباب رشیدی کا اسم گرامی سلمان احمد ہے۔ والد کا نام حکیم غلام جیلانی تھا۔ ۱۰ جنوری ۱۹۴۰ء کو پیدا ہوئے۔ اردو کے کہنہ مشق شاعروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ رشید رامپوری کے تلامذہ میں شامل ہیں۔ ابرِ سفید کے عنوان سے ایک شعری مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔

راستے میں کون کون ملا کچھ خبر نہیں
کوئے صنم سے مرحلۂ دار تک گئے
ٹوٹا نہ ایک سنگ بھی کیا جانے کتنے لوگ
تیشہ بدست دامن کوہسار تک گئے

ہنسنے کے ہم کو وہی بات جب رلاتی ہے
کسے نشاط سمجھئے کسے محن کہئے
وہ جن کو دھوپ کی کرنیں شفق بناتی ہیں
مرے خیال سے اُن کو ہی گل بدن کہئے

مجھ کو ساحل سے طلاطم تک بہا لے جائیگی
اور کیا اس کے سوا موجِ بلا لے جائیگی
آرزو جینے کی ہے تو جی چٹانوں کی طرح
ورنہ پتے کی طرح تجھ کو ہوا لے جائیگی
اپنے ہونٹوں کو سئے بیٹھے ہیں اک مدت سے ہم
اب نسیم صبح آئی بھی تو کیا لے جائیگی

پھر کسی زخم کے کھل جائیں نہ ٹانکے دیکھو
رہنے دو تذکرۂ اہلِ وفا رہنے دو
جادۂ عشق کٹھن ہے یہ سمجھ میں آ جائے
راستے میں کوئی پتھر بھی پڑا رہنے دو

ماخذ: ۱۔ آپ ہیں حصہ دوم ۔ ۔ رسالہ آواز (۱۶ جنوری ۱۹۸۴ء) (۱۶ اپریل ۱۹۸۲ء) (۱۶ جون ۱۹۸۳ء) — رسالہ "آجکل" (ستمبر ۱۹۷۷ء) پاسبان ۱ جنوری ۱۹۶۰ء)
رسالہ "تعمیر" ہریانہ (ستمبر اکتوبر ۱۹۸۰ء) دلی سہ ماہی ۔ اکتوبر دسمبر ۱۹۸۲ء)

شبنمؔ

شبنمؔ کا تعلق رامپور سے تھا۔ اسمِ گرامی عابدہ بیگم تھا۔ والد کا نام فدا علی خاں تھا۔ جو ریاستِ رامپور میں بہ عہدہ تحصیلدار مامور رہے تھے۔ شبنمؔ رامپور میں سنہ ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئی تھیں اور وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں آپ کی شادی خان زادہ احمد نبی خاں رامپوری سے ہوئی۔ انکسار و خلوص شبنمؔ کی نمایاں خصوصیات تھیں۔

شاعری کی جملہ اصناف سلام، مرثیہ، منقبت وغیرہ میں خوب طبع آزمائی کرتی تھیں۔ محمد علی اثرؔ رامپوری[1] سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ سنہ ۱۹۴۵ء کے خواتین کے مشاعرے میں آپ بریلی میں شریک ہوئی تھیں۔

نمونہ کلام

نظم "طفولیت" سے

لبوں پہ مہر ہے آئینہ دارِ خلوت ہے — بتائیے کیسے کہ یہ راز، رازِ قدرت ہے
سمجھ رہے ہیں خموشی کی کیا حقیقت ہے — پر اتنی کس لئے دنیا سے تجھکو نفرت ہے

ملال ہے تجھے ناداں یہاں کے آنے کا
بنے گی جان پہ آیا جو وقت جانے کا

---

[1] محمد علی خاں اثرؔ، رامپور کے نامور اور صاحبِ نظر شاعر تھے۔ صاحبِ عظمت بزرگ تھے۔ مشاعروں میں شرکت فرماتے تھے۔ کئی کتابیں یادگار ہیں۔ رامپور کے معروف شاعر شوق اثری آپ کے ہی صاحبزادے ہیں۔

اور اُس کے بعد کچھ ایسا زمانہ آئیگا — نسیمِ صبح سے یہ غنچہ مسکرائے گا
ہزار حیف کہ یہ وقت پھر نہ آئیگا — کمر جھکا کے کبھی ڈھونڈھے نہ اسکو پائیگا
سلام بھیج کہ یہ عہد کتنا شیریں ہے
سلام بھیج کہ یہ عہد کتنا زریں ہے

طفولیت مری اک بار لوٹ آئے اگر — تو کیا ہی خوب ہو، اب کھو کے قدر آئی مگر
خرد، ضمیر، خودی کُل متاع دینے پر — ملے تو سستا ہے سودا یہ شبنمؔ مضطر
شبابِ شیب، اگر جا کے بچپنا آئے
تو اِس سے طینت و فطرت کا کیا بگڑ جائے

"شبابیات" سے

فضائے دہر پہ رنگیں گھٹا سی چھاتی ہے — اسی زمانے میں ہر چیز مسکراتی ہے
حدیثِ بلبل و گل کی سمجھ میں آتی ہے — پیامِ شوق اسی میں صبا بھی لاتی ہے
عجیب یہ ہے کہ جب یہ زمانہ جاتا ہے
تو بے بھلائے زمانہ اُسے بھلاتا ہے

وہ منتقم بھی ہے عادل بھی ہے کریم بھی ہے — ہے قہر بھی مغفرت اُسکی جہاں رحیم بھی ہے
یہیں خدا بھی ہے اور طور بھی کلیم بھی ہے — یہیں یہ باغِ جناں اور یہیں جحیم بھی ہے
صراط کہتے ہیں جس کو یہی شباب تو ہے
جو نشہ دے پئے بن، ایسی ہی شراب تو ہے

"ضعیفی" سے

اُداسی چھائی ہے آنکھیں ہیں کس لئے پُرنم — جوانی روٹھ گئی کیا یہی ہے رنج دا

سیاہی چھٹتی ہے چہرے سے اور تجھے ہے غم
ہے فتح نور کی ظلمت پہ اے مرے ہمدم
مقام شکر ہے تو ہوش کے قریں آیا
کمر شٹول کہ پونجی اتکھو نہیں آیا

الٹ بساط کہ اب انجمن ہوئی برہم
رفیق اٹھ گئے پھر لطفِ عیش کیا شبنم
رکاب پا ہیں بہت پہنچے جا کے تا بہ عدم
ہمیں بھی جانا ہے پر پیچھے رہ گئے ہیں ہم
سنبھال رختِ سفر قافلہ وطن کو چلا
زہے نصیب کہ گل پھر اسی چمن کو چلا

سلام:۔ سلام میرا ہے اُس ذی وقار ہستی کو
کہ جس نے دیکھ لیا ہے عروج پستی کو
سلام میرا ہے اُن کی جناب والا میں
مثال جن کی نہیں ہے ملاءِ اعلیٰ میں

ماخذ:۔ گلدستہ "بہارِ سخن"۔ (غیر مطبوعہ۔)

شبنم

ضلع بجنور کی بستی کیرت پور شعر و ادب کے لئے کافی معروف رہی ہے معروف شاعر عشرت کیرتپوری کا تعلق بھی یہیں سے ہے۔ رویدہ شبنم اسی زرخیز سرزمین سے اٹھیں۔ اُن کی شاعری میں احساس کی تپش، اظہار کی گرمی ہے۔ پرانے رسائل میں کلام ملتا ہے

نمونۂ کلام

للہ سنبھالو یہ نظر میری طرف سے
بد ظن ہے ہر اک فرد و بشر میری طرف سے
اے پیر مغاں ایک نظر ان کی طرف بھی
برہم ہیں ابھی تشنہ لب نظر میری طرف سے
پُر ہول اندھیرے ہیں مری قبر میں ہوں
اب ہو کہ نہ ہو شب کی سحر میری طرف سے
برسوں سے قفس میں ہوں مگر شکر ہے اب بھی
ہوتا ہے بہاروں کا گزر میری طرف سے
ظلمت کے پرستار دعاؤں میں ہیں شب کی
شبنم انہیں پیغام سحر میری طرف سے

ہے سکوں مدعائے عالم بھی
اور یہی زندگی کا ماتم بھی
غم بقدر نیاز نعمت ہے
اس سے آگے عذاب ہے غم بھی
بے رخی کا گلا نہ کر اے دوست
موت ہے التفات پیہم بھی
آپ تو خیر نقش فطرت ہیں
وقت کی یادگار ہیں ہم بھی
دل میں لاکھوں گلے بھی ہیں پنہاں
آپ کی ہر خوشی پہ سر خم بھی
جیتے جی ہم نے خود ہی اے دنیا
کر لیا زندگی کا ماتم بھی

ماخذ :۔ ماہنامہ شمع ۔ اگست ، نومبر ۱۹۶۴ء

شبنم

کشور آرا نام، شبنم تخلص ہے ۔ والد کا اسم گرامی محمد حنیف خاں تھا۔ جو ایک مقامی کالج میں استاد تھے ۔ ابتدائی گھریلو تعلیم کے بعد شبنم کو اسکول میں

داخل کرایا گیا اور آپ نے ایم ۔ اے ،ایل ایل بی کی ڈگریاں لیں ۔ وکالت کے پیشے سے منسلک ہیں. آپ کا شمار رامپور کے معروف وکلا میں ہوتا ہے۔ ۵ سال یو پی اسمبلی کی ممبر رہ چکی ہیں۔

شاعری کا ذوق بچپن سے ہے ۔ آپ کے والد بھی شاعر تھے۔ گھریلو ادبی ماحول نے اس ذوق کو جلا بخشی ۔ کلام پر کسی سے اصلاح نہیں لی تقریباً ۱۵ سال سے ملک کے اہم مشاعروں میں شرکت کرتی ہیں ۔ کوئی کتاب ابھی شائع نہیں ہوئی ہے البتہ دو شعری مجموعہ منتظر اشاعت ہیں ۔ یہ بات انھوں نے راقم کو ایک ملاقات کے دوران بتائی ۔ کلام ملک کے معیاری رسائل میں اکثر شائع ہوتا رہتا ہے ۔ کلام میں غزل کے رنگ رچاؤ کیسا تھ ساتھ زندگی اور حالات حاضرہ کا عکس نظر آتا ہے ۔ زبان کی سلاست اور بھی حسن پیدا کر دیتی ہے ۔

نمونہ کلام

جب سے تری نظر کے گرویدہ ہو گئے ہیں
ہم دل کی وادیوں میں پوشیدہ ہو گئے ہیں

سلجھائیں آؤ مل کر وہ مسئلے جنوں کے
دوری سے جو تمہاری پیچیدہ ہو گئے ہیں

بے چینیوں سے میری ہر شئے لرزاٹھی ہے
جھونکے ہواؤں کے بھی لرزیدہ ہو گئے ہیں

جب سے جنوں کو ہم نے رہبر بنا لیا ہے
پہلے سے بھی زیادہ سنجیدہ ہو گئے ہیں

لے ۱۲ / اکتوبر ۱۹۸۹ء

میرے ذوقِ جستجو کو کم ہے ساری کائنات
اور اگر سمٹوں، تو خود میں ہی سما سکتی ہوں میں
میں نے چاہا ہی نہیں تم کو بھلا دینا کبھی
ورنہ اپنی طرح تم کو بھی بھلا سکتی ہوں میں

کبھی تو دل کی بے تابی کو میری بھی قرار آئے
ادھر شامِ الم آئے اُدھر جانِ بہار آئے
سراپا کیف و مستی ہے محبّت جس کو کہتے ہیں
نہ یہ نشہ کبھی اُترے نہ پھر ایسا خمار آئے
تری نظروں کی اِک جنبش سے دُنیا ہل گئی میری
اگرچہ زلزلے کون و مکاں میں بار بار آئے
بہار آئی چمن میں رنگ و بو کی بارشیں لے کر
مگر حصّے میں شبنم کے نہ گل آئے نہ خار آئے

موجِ دریا مرے اشکوں سے روانی مانگے
وقتِ رخصت کوئی جب مجھ سے نشانی مانگے
عشق کی دھوپ میں تپتی ہوئی دُنیا میری
تیرے سائے میں کوئی شام سہانی مانگے

ماخذ:۔ رسالہ ایوان اردو، دہلی
جولائی ۸۷ء، نومبر ۸۷ء

رسالہ "آواز" دہلی
مئی ۸۳ء، جولائی ۸۳ء

شفیق

شفیق بانو شفیق کا وطن بریلی تھا۔ آزادی کے بعد پاکستان ہجرت کر گئی ہیں۔ زیادہ معلومات دریافت نہ ہو سکیں۔

نمونۂ کلام

نظم "مریم و سیتا کے نام"[1]

زندگی کے اُداس چہرے پر
عہدِ ماضی کا زخم تازہ ہے
اب یہی وقت کا تقاضہ ہے
پھینک دو نفرتوں کی تلواریں
اور انسانیت کے رشتے کو
آج تسلیم قلب و جاں کر لو
کیونکہ
میں ہی قرآن میں ہی گیتا ہوں
میں ہی مریم ہوں، میں ہی سیتا ہوں

---

[1] "شمع" اپریل ۱۹۷۵ء

شفیقا

شفیقا محلہ سوتھا (بدایوں) پولیس چوکی کے قریب رہتی تھیں۔ آپ کے بھائی کا نام کریم اللہ تھا۔ محفل میلاد کا بہت شوق تھا۔ نعتیہ کلام کہتی تھیں۔

میلاد شریف کی ایک کتاب بعنوان "مولود کی خوشی یعنی زمانہ مولود" لکھی تھی۔ جو امیر الاقبال پریس بدایوں میں سنہ ۱۳۳۶ھ میں طبع ہوئی۔ اس کتاب میں تمام کلام شفیقاً کا ہی ہے۔ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئی تھیں۔ زیادہ حالات دستیاب نہ ہو سکے۔ والد کا نام ولایت حسین تھا۔

نمونہ کلام

پڑھوں میں نام لے لے کر تمہارا یا رسول اللہ
تمہارا نام ہے دل کو پیارا یا رسول اللہ
اندھیری گور میں احباب مجھ کو چھوڑ آئیں جب
مدد کرنا وہاں پہ تم ہمارا یا رسول اللہ
جو پوچھیں گے اگر مجھ سے نکیرین آن کر کچھ بھی
سنا دوں گی انہیں کلمہ تمہارا یا رسول اللہ
بلا لو پھر شفیقاً کو اگر حضرت مدینہ میں
کرم ہو آپ کا اس پر دوبارا یا رسول اللہ

میں بغداد پہنچوں خدایا کیسے کیسے
ہو پورا مرا مدّعا کیسے کیسے
یہ ادنیٰ سا اک معجزہ تھا نبی کا
کہ بیمار پائے شفا کیسے کیسے
خزانے سے کچھ تو شفیقاً کو دیجیے
کئے ہیں گدا اغنیا کیسے کیسے

ماخذ:۔ تذکرہ شعرائے بدایوں جلد اوّل۔

شگفتہ

شگفتہ شاد روہیل کھنڈ کے مشہور صنعتی شہر مراد آباد میں پیدا ہوئیں۔ ماہنامہ "خوشبو" دہلی کے جنوری ۱۹۸۳ء کے شمارے میں آپ کی ایک طرحی غزل کو دوسرا انعام دیا گیا تھا۔ وہی غزل بطور نمونہ کلام درج ہے۔

یہ دنیا سسکیاں لیتی ہوئی دیکھی نہیں جاتی
پریشاں اب تو بزم زندگی دیکھی نہیں جاتی

کسی کے واسطے جینا کبھی مرنا بھی پڑتا ہے
ہمیشہ اپنا غم اپنی خوشی دیکھی نہیں جاتی

وہی اک شخص واقف ہو گیا ہے عظمت غم سے
مرے ہونٹوں پہ اب جس سے ہنسی دیکھی نہیں جاتی

تعلق ہے ہمیں غم سے غموں کو ہم سے نسبت ہے
نتیجہ یہ کہ اب کوئی خوشی دیکھی نہیں جاتی

مجھے معلوم ہے لو گو جفا پرور زمانے میں
کسی سے اب شگفتہ زندگی دیکھی نہیں جاتی

شیدا

"محفل خواتین" میں ایک غزل آپ کی درج ہے۔ نام و تخلص ا۔ب شیدا اور وطن بریلی تھا۔ غزل میں سلاست اور شگفتگی ہے۔

نمونہ کلام

ستم کی دل سے شیدا بن گئی ہوں
کہ میں اُن کی تمنّا بن گئی ہوں
نگاہِ حیرت افزا بن گئی ہوں
ترے عارض کا پردہ بن گئی ہوں
تعالیٰ اللہ جوشِ درد پیہم
میں خود اپنا مداوا بن گئی ہوں
ترقیٔ جنونِ شوق توبہ!
کہ میں ذرے سے صحرا بن گئی ہوں
محبت میں گماں ہوتا ہے اکثر
کہ جیسے اُن کی دُنیا بن گئی ہوں
نہ پوچھو حالِ بے تابیٔ پیہم
میں دنیا کا تماشہ بن گئی ہوں
بقدرِ ظرف ہوش و صبر و ہمت
ترے جلووں کی شیدا بن گئی ہوں

شمیم

شمیم بیگم نام، شمیم تخلص ہے۔ والد کا نام محمد احمد خاں تھا۔ جن کا انتقال شمیم کے بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ ۱۹۵۲ء میں محلہ علی زئی شاہجہانپور میں پیدا ہوئیں۔ ابتدا سے تعلیم سے لگاؤ ہے۔ آپ اُردو اور ہسٹری میں ایم۔ اے ہونے کے علاوہ بی۔ ایڈ ہیں۔ شاہجہانپور کے ایک اسکول میں ٹیچر ہیں۔ شاعری سے لگاؤ تعلیم کے زمانے سے ہے۔ شعر اچھا کہتی ہیں۔

نمونہ کلام

دلِ غم دیدہ بہلتا ہی نہیں
گویا ماحول بدلتا ہی نہیں
اتنی ویراں تو نہ تھی راہِ وفا
آج اس پر کوئی چلتا ہی نہیں
دیکھ محرومیٔ دل کا عالم
کوئی ارمان نکلتا ہی نہیں

غم کے جھونکے نہیں آتے جب تک   دل ہے وہ دیپ کہ جلتا ہی نہیں

سوئے سیلاب سفینہ ہے رواں

اب سنبھالے سے سنبھلتا ہی نہیں

نئے حالات نئی آب و ہوا چاہتے ہیں

جس میں جینے کا مزہ ہو وہ فضا چاہتے ہیں

موسم گل وہ ہمیں فصلِ خزاں سے مطلب

کوئی بھی رُت ہو گلستاں کی بقا چاہتے ہیں

آپ ہی کہئے یہی ہوتی ہے کیا شرطِ وفا

بے وفا خود ہیں مگر تجھ سے وفا چاہتے ہیں

یہ الگ بات ہے ظاہر نہ کریں وہ نہ شمیمؔ

ہم کو معلوم ہے سب ہم سے وہ کیا چاہتے ہیں

ماخذ:- دبستانِ شاہجہانپور

صادقہ

صادقہ کے والد ماجد کا نام محمود حسین حمیدی تھا آپ ۱۲ مارچ سنہ ۱۹۲۷ء کو بدایوں میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم بدایوں میں حاصل کرنے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخل کی گئیں۔ جہاں سے B.A کیا۔ ۲۶ جون ۱۹۵۸ء کو شادی کرنل راشد حسین ہاشمی سے ہوئی۔ آپ کے شوہر بحیثیت فوجی اتاشی مصر میں رہے جہاں صادقہ آن کے ہمراہ رہیں۔ آپ کا کلام مصری اخباروں میں بھی شائع ہوا اور اس کا ترجمہ عربی زبان میں شائع ہوتا رہا ہے۔ آج کل کراچی میں مقیم ہیں

نمونہ کلام

القاہرہ[1]

وادیٔ نیل نہیں یہ کوئی مے خانہ ہے
شہرِ خوباں ہے نہیں یا کہ صنم خانہ ہے
لبِ دریا یہ ستارہ کہ کوئی ساقی ہے
جس کی قامت میں ابھی حسنِ ازل باقی ہے
ایک انداز سے بیٹھی ہوئی دوشیزۂ نیل
ارضِ صحرا میں یہی پیاس بجھانے کی سبیل
یدِ بیضا تھا اسی خاک کے ذرّوں کا جمال
حسنِ یوسف کو ملا تھا اسی مٹی سے کمال
حسن ہے خلد ہے کوثر کا کنارا ہے یہاں
آؤ بھی شیخ کہ جنّت کا نظارہ ہے یہاں
ذکر جس خلد کا کرتے ہو وہ جنّت یہ ہے
حسن کو سجدہ کرو دین کی عظمت یہ ہے

جامِ مے منھ سے لگاؤ کہ سخاوت ہے یہ
شکر کر کر کے پیو حسنِ عبادت ہے یہ

---

[1] اس نظم کا ترجمہ مصری اخباروں میں شائع ہوا جو احمد لطفی نے کیا تھا۔

صبا

غزالہ صبا مرحومہ کا تعلق مرادآباد سے تھا۔ آپ کے کلام میں سادگی سلاست کے ساتھ ساتھ گہرائی و گیرائی ہے۔ کلام رسائل میں شائع ہوتا تھا۔ زیادہ معلومات حاصل نہ ہو سکی۔

نمونہ کلام

یہ لمحہ حاصلِ رنج و محن ہے
مرے آنسو ہیں اُن کا پیرہن ہے

مری جانب کبھی دیکھا تھا اُس نے
جبینِ وقت پر اب تک شکن ہے

ابھی مشکل ہے تعمیرِ گلستاں
ابھی ذہنوں پہ صدیوں کی تھکن ہے

اِرم کی عظمتیں تسلیم لیکن
مری نظروں میں اُن کی انجمن ہے

ترے دامن کا سایہ چاہتی ہوں
تمناؤں کا لاشہ بے کفن ہے

ازل کی صبح سے شامِ ابد تک
لہو کا اِک سمندر موجزن ہے

انہیں میرا خیال آیا ہے شاید
صبا مہکا ہوا دل کا چمن ہے

ماخذ:۔ شمع دہلی جون ۱۹۷۲ء

صفیہ

صفیہ بیگم صفیہ معروف ادیب، صحافی، سیاست داں اور پارلیمنٹری

سکریٹری (یوپی)، وحید[1] احمد مسعود کی شریکِ حیات تھیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب امیر تیموریہ سے ملتا ہے۔ آپ کے مورث احمد ابن مرزا محمد اسحاق (ف ۱۷۵۶) ۱۸ ویں صدی عیسوی میں ہرات سے ترکِ وطن کرکے دہلی آئے۔ اُن کے ایک صاحبزادے مرزا اسلم دہلی میں رہے بعدہٗ والیِ بنگال کے لشکر میں ملازمت کرلی۔ انہوں نے ۱۷۶۳ء میں مرادآباد میں وفات پائی۔ مرزا اسلم کے لڑکے مرزا محمد اکرم آشنا بڑے عالم فاضل تھے۔ ان کے ایک صاحبزادے عبدالقادر کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ خان بہادر عبدالقادر کے پوتے مرزا محمد تقی جو بدایوں میں سررشتہ دار و پیشکار رہے۔ صفیہ انہیں محمد تقی کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کا سن ولادت ۱۹۰۴ء تھا۔ عربی، فارسی اور اُردو کی تعلیم رواج کے مطابق گھر پر ہی ہوئی۔ ۱۹۲۱ء میں وحید میاں سے شادی ہوئی۔ ۱۴ دسمبر ۱۹۷۴ء کو وفات پائی۔

شعروادب سے لگاؤ بچپن سے تھا۔ آپ کے گھر (مرادآباد) پر ہمیشہ شعراء و ادبا کی محفلیں آراستہ ہوتی تھیں۔ ایسے ماحول کی پرورش نے آپ کے اندر کم سنی سے شعر موزوں کرنے کی صلاحیت پیدا کردی تھی۔ شادی کے بعد سسرال کا ماحول بھی ادبی ملا۔ اور آپ کی شاعری پروان چڑھنے لگی۔ بدایوں میں اصلاحِ کلام کے لئے غلام سجاد[2] نسبمل کو منتخب کیا۔ وحید میاں کے لکھنؤ قیام کے دوران آپ ساتھ

---

[1] وحید میاں ۱۹۰۳ء میں شیخوپور میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام شیخ امیر احمد تھا۔ ادب و سیاست سے بچپن لگاؤ تھا۔ گوبند ولبھ پنت کی وزارت میں پارلیمنٹری سکریٹری رہے تھے۔ کافی کتابوں کے مصنف تھے۔ ۱۱ جنوری ۱۹۷۷ء کو انتقال ہوا۔ [2] قاضی غلام سجاد بسمل بدایونی تحصیل بدایوں میں مختار تھے۔ ۷ مارچ ۱۸۸۷ء کو بدایوں کے ایک صاحبِ علم گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۵ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ لکھنؤ کے اخبار نے انعامی مقابلہ کا اعلان کیا، ،بہترین غزل گو،، عنوان تھا۔ آپ نے بھی مقابلہ میں حصہ لیا اور انعام کے حقدار ٹھہرے۔ آپ کا یہ مضمون کتابی صورت میں نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوا۔

(تذکرہ شعرائے بدایوں ج ۱)

رہیں۔ اور وہاں مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی کو کلام دکھایا۔ اثر لکھنوی کی شاگردی

کا اعتراف مندرجہ ذیل مصرعے میں کیا ہے۔

پئے تعظیم کھڑی ہو گئی اُٹھ کر صفیہ
جب سنا بزم سخنداں میں اثر آتے ہیں

کلام میں اثر لکھنوی کے رنگ کی چھاپ جابجا نظر آتی ہے۔ کلام میں روانی، دلکشی کے ساتھ ساتھ پختگی پائی جاتی ہے۔

نمونۂ کلام

نکل جاتی ہے جب گھر سے صداقت بھی شجاعت بھی
تو یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ ہم قرآن والے ہیں

پئے تعظیم کھڑی ہو گئی اُٹھ کر صفیہ
جب سنا بزم سخنداں میں اثر آتے ہیں

ہو گی یہ بھی ادائے حسن کوئی
روٹھے جاتے ہیں وہ منانے سے
حسن میں ہی جنوں کے ہیں انداز
بھاگ جاتے ہیں وہ بلانے سے

ہزار بار کی توبہ سے ایک توبہ ہے
کسی کی بات کا اب اعتبار کون کرے
رہین فکر یہاں نور و نار کون کرے
بہارِ خلد کا اب انتظار کون کرے

نیا زمانہ، طبیعت نئی اصول نئے
نیا چمن ہے یہ پودے نئے ہیں پھول نئے

عابدہ

امراؤ بیگم نام، عابدہ تخلص تھا۔ نواب رامپور یوسف علی خاں کی بیٹی اور نواب محمد زین العابدین کی محل خاص تھیں۔ بقول مؤلف "تذکرۃ الخواتین" علم و فضل میں یکتائے زمانہ اور اپنے عہد کی یگانہ تھیں۔ ایک دیوان فارسی ایک اردو، اور ایک مثنوی متعلق شکار اُن سے یادگار ہے۔

ڈاکٹر خاں محمد عاطف نے میر محمد علی جویا کی تصنیف "سرودِ غیبی" سے مندرجہ ذیل حالات نقل کئے ہیں۔

"اللہ اللہ کس حمیدہ صفات عالی درجات کے غم کا بیان ہے کہ جس کے الم میں سیاہ پوش آسمان ہے۔ کون ہے جس کو اس کا غم نہیں؟ جگر شق کب قلم نہیں۔ اوصاف اس مرحومہ کے لکھئے تو کیا لکھئے۔ خامہ کا زہرہ آب ہے۔ علم میں معروف، ہمہ صفت موصوف، منطق و حکمت جس کے سامنے پانی۔ ریاضی و فلکیات کہانی، ناظم بے تمثیل، نثر ظہوری و طغرائی سے بہتر، آب حیات سے بڑھ کر عیاں را چہ بیاں۔ دیوانِ اُردو و فارسی اس مغفورہ کے مخفی نہیں۔ مخفی کو اصلاح دی ہے یہ تقریر بر راستی ہے نہ مبالغہ کی ہے۔ بعمر سّی سال جہانِ فانی سے رحصت فرمائی۔"

"جویا نے عابدہ کے مصرع کو تضمین کر کے تاریخ وفات نکالی۔

یہ کرامت اس کی ہے جو یا کہ خود فرما دیا
تا قیامت رحمت خلاق باری قنبر کو
کشتہ ہیں اے لاغری ہم رنگ گندم گوں کے جو
ہے شکن گندم کی بس کافی ہماری قبر کو
۱۲۸۶ھ

نمونہ کلام

بال چوٹی کے کریں گے بدنام یہ موئے پیچھے پڑے رہتے ہیں

پلا دے اب تو اے ساقی مے گلنار تھوڑی سی
کہ باقی رہ گئی ہے عمر بھی اے یار تھوڑی سی
لپک کر ہاتھ تو قاتل کے پورا ہی لگایا تھا
مگر تقدیر سے اوچھی پڑی تلوار تھوڑی سی

خضر کو دانہ چلے جاتے تھے راہِ عشق میں
ایک ہی کھائی جو ٹھوکر پاؤں اوپر سر تلے

ماخذ: تذکرۃ الخواتین، پٹھان شاعرات اردو

عبرت

اسم گرامی زینت بیگم اور تخلص عبرت تھا۔ آپ کا شجرہ نسب حضرت امیر قیس عبدالرشید سے دادھیال کی طرف سے اور حضرت خالد بن ولیدؓ سے ننھیال کی طرف سے ملتا ہے۔ والد کا اسم گرامی ڈاکٹر خوب داد خاں تھا۔ جو کلکتہ میں

ہیڈ اسسٹنٹ چیف کمشٹریٹ تھے۔ اُن کی کوٹھی بریلی محلہ گلی بھاٹان میں، "مبارک باغ" کے نام سے مشہور تھی۔ ڈاکٹر خوب داد خاں بڑے باذوق انسان تھے۔ اُردو اور انگریزی کے صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ انگریزی میں آپ کا دیوان Jemes poetical اور اُردو میں "دیوان خوب سفینۂ مرغوب" کے عنوان سے شائع ہوئے تھے۔ عبرتؔ کی شادی ۱۹۰۵ء میں سیّد محمد عبدالحی سے ہوئی جو محکمہ کورٹ آف وارڈس میں منیجر تھے۔ اور گوالیار میں سپرنٹنڈنٹ مجسٹریٹ درجہ اوّل رہے تھے۔ وہ بریلی کے تعلیمیافتہ اور اچھے کھلاڑی تھے۔ اولاد میں تینؔ لڑکیاں اور دوؔ لڑکے ہوئے۔

عبرتؔ کے گھر کا ماحول ادبی تھا۔ جیسا کہ وہ خود تحریر فرماتی ہیں۔

"چونکہ میرے گھر میں ہر وقت علم و ادب کا چرچا تھا اس لئے اس کی ضوپاشیوں سے میں بھی محروم نہ رہی۔ چونکہ ہمارے زمانے میں پردہ کا رواج بہت سخت تھا۔ اس لئے بلا امداد کسی استاد فن کی اپنی استعداد کے مطابق اپنے کلام کو جلا دیتی رہی۔"[۱]

عبرتؔ کی ایک صاحبزادی بلقیس فاطمہ بیگم بھی اچھی شاعرہ تھیں اور وہ سماجی و ادبی خدمات میں کافی دلچسپی رکھتی تھیں۔ عبرتؔ کا کلام روایتی انداز کا ہے جس کی وجہ زمانے اور ماحول کا اثر ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اچھا شعر کہنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔

---

[۱] "شاعراتِ اردو" "خودنوشت سوانحی حالات" سے

نمونۂ کلام

ہمارے دم سے ہی تو نے ستمگر نام پایا ہے
نہ ہوتے ہم اور انداز جفا ہوتے تو کیا ہوتا

ستمگر ہیں تو جب بھی ایک عالم ہے تمنائی
اگر رسمِ رواداری ادا کرتے تو کیا ہوتا

مجھے قسمت سے شکوہ ہے شکایت آپ سے کیا غیر
ستمگر ہیں تو کیا ہے با وفا ہوتے تو کیا ہوتا

وہ نہ آئے وعدہ کر کے دلِ بے قرار سو جا
ہیں دروغ اُن کی قسمیں نہ کر اعتبار سو جا

مجھے دفن کر چکا جب تو یہ بولا شاد ہے اب
تجھے اب تو چین آیا مرے بیقرار سو جا

زاہدو پوچھو نہ اس عشقِ بلا خیز کے ڈھنگ
نقشۂ کفر ذرا دل سے مٹالوں تو کہوں

کیا کہوں جو دلِ صد پاش سے آتی ہے صدا
گر پڑا سنگِ جفا یہ ہیں اٹھالوں تو کہوں

دردِ ہجراں کا یقیں آپ کو کب آئیگا
داغہائے دلِ مجروح دکھالوں تو کہوں

لطف آتا ہے انہیں ہر ظلم نو ایجاد میں
چین آتا ہے مجھے دردِ دلِ ناشاد میں

دل کو دیکھوں یا جگر کو یا غم و اندوہ کو
ساز ہستی جل رہا ہے اب کسی کی یاد میں

جانِ مضطر، دل مکدر، قلب محزوں چشم نم
ہائے کیا کیا بن گئی ہم پر کسی کی یاد میں

ماخذ: "تذکرہ شاعرات اردو"

عرشی

بدرالنساء نام عرشی تخلص ہے۔ الوزہ ضلع بریلی وطن ہے۔ کلام رسائل میں شائع ہوتا ہے۔ مشاعروں میں شرکت نہیں کرتیں۔ پسندیدہ شاعروں میں فیض، فراق، روش، ساحر وغیرہ ہیں۔ زیادہ حالات دستیاب نہ ہو سکے کلام میں سادگی و پرکاری کے اچھے نمونے ملتے ہیں۔

نمونہ کلام

بیخودی میں بھی خود آگہی ہے
معتبر میری دیوانگی ہے

میرے دل نے پکارا ہے مجھ کو
یا مجھے تم نے آواز دی ہے

موت کے نام سے ڈرنے والے
موت آئینہ زندگی ہے

یہ جہانِ ستم توبہ توبہ
آدمی دشمنِ آدمی ہے

یوں غموں میں گرفتار ہے دل
بیچ خاروں کے جیسے کلی ہے

کشمکش میں ہے عرشی زمانہ
وقت کی سانس ٹھہری ہوئی ہے

جنت جسے کہتے ہیں صدیوں کی کہانی ہے
جب دل کو نہیں کچھ غم ہر چیز سہانی ہے
اب نامِ محبت پہ آنسو نکل آتے ہیں
گو ترکِ محبت کی روداد پرانی ہے
یوں گردشِ دوراں نے دل میرا کیا چھلنی
جیسے کسی دلہن کی کانٹوں میں جوانی ہے

یہ حادثہ اک اور بھی دل سوز ہوا ہے
دنیا نے ہمیں عشق میں ناکام کہا ہے

کرتے بھی یہ کیا بجنت کے مارے ہوئے انساں
ہر ظلم پہ سو بار ادا شکر کیا ہے
سرمایۂ احساسِ جنوں عرشی لٹا کر
دیکھیں گے کہ اس دور میں کون اہلِ وفا ہے

ماخذ :- "چاندنی اور پھول" از قمر سلطانہ

قمر سلطانہ نام اور عرشی تخلص ہے ۔ ۱۹۵۶ء میں مراد آباد میں پیدا ہوئیں ۔ بی ۔ اے تک تعلیم ہے ۔ شاعری کا شوق ۱۹۸۳ء سے ہے ۔ دلشاد بزمی اور رابش حیدری سے اصلاح لیتی ہیں ۔ "چراغ شہر جگر" کے ۸ میں آپ کا ذکر ملتا ہے ۔ شاعری کی عمر ابھی بہت کم ہے ۔ اگر مشق سخن جاری

رکھی تو اچھے اشعار کہنے لگیں گی

نمونہ کلام

محبت میں کیسا مزا آ رہا ہے
غموں میں بھی دل لذتیں پا رہا ہے
زباں تو نہ کر پائی اظہارِ الفت
مگر رازِ افشا ہوا جا رہا ہے
نہ ساقی نہ بادہ نہ ساغر نہ مینا
یہ کیسا نشہ ہے جو خود چھا رہا ہے
ہر اک غم ہر اک حادثہ زندگی کو
مسرت کا مفہوم سمجھا رہا ہے
کسی سے بھی شکوہ نہیں میرے دل کو
یہ دانستہ دھوکے پہ دھوکے کھا رہا ہے
مجھے ناز ہے اپنی خوئے وفا پہ
اگر وہ جفاؤں پہ اترا رہا ہے
اب ان منزلوں میں ہوں عشقِ جہاں پر
وہی غیر ہے جو شناسا رہا ہے

فاصلے ہیں کہ بڑھتے جاتے ہیں
حوصلے ہیں کہ کم نہیں ہوتے
تیری چاہت کا رنگ ہو جن میں
بارِ خاطر وہ غم نہیں ہوتے
کون محرومِ چشمِ ساقی ہے
کس پہ لطف و کرم نہیں ہوتے
کوئی تو بات ہے ترے در میں
سر ہر اک در پہ خم نہیں ہوتے
لکھے جاتے ہیں صرف افسانے
اور حقائق رقم نہیں ہوتے

دکھ دنیا کے عجیب ہیں عرشی
بڑھ تو جاتے ہیں کم نہیں ہوتے

عزیز

عزیز فاطمہ نام اور عزیزہ تخلص تھا۔ والد کا نام مولوی منظہر حسن تھا۔ محلہ قاضی ٹولہ بدایوں کی رہنے والی تھیں۔ جوان العمری میں انتقال ہوا تھا۔ نظم و نثر میں یکساں طبع آزمائی کرتی تھیں۔ مضامین و کلام ماہنامہ "تہذیب نسواں" (لاہور) میں شائع ہوتا تھا۔ نظموں کا ایک انتخاب شائع ہوا تھا۔ مگر راقم الحروف کی نظر سے نہیں گزرا۔ کلام میں صرف ایک شعر حاصل ہو سکا۔

جان پڑ جاتی ہے اجڑے ہوئے ارمانوں میں
چاند سا منھ جو دکھاتی ہے بہارِ امید

عصمت

رفعت زمانی بیگم نام "راج ماتا" لقب عصمت تخلص تھا۔ نواب رضا علی خاں والئ رامپور کی بیگم تھیں۔ نہایت ہی شریف، علم دوست خاتون تھیں۔ اُن کے بزرگ صاحبِ سیف و قلم رہے تھے۔ رامپور کے عوام اُن کی بڑی عزت کرتے تھے اور "راج ماتا" کے لقب سے پکارتے تھے۔ نواب مرتضیٰ علی خاں سابق ممبر اسمبلی اتر پردیش اور نواب ذوالفقار علی خاں ممبر پارلیمنٹ انہیں کے بیٹے ہیں۔

شاعری کا بڑا ستھرا ذوق رکھتی تھیں۔ مشاعروں کو بھی زینت بخشتی

تھیں۔

نمونہ کلام

جدھر بجھ کو جاتے صنم دیکھتے ہیں
ادھر پہروں حسرت سے ہم دیکھتے ہیں

نئی قبر کس کی بنی ہے کہ جس پر
تمہارے سے نقشِ قدم دیکھتے ہیں

لبوں کو دبائے ہنسی کو چُرائے
یونہی مرنے والوں کو ہم دیکھتے ہیں

خُدا جانے کیوں ہاتھ سینے پہ رکھا
وہ دل دیکھتے ہیں کہ دم دیکھتے ہیں

مقدّر انہیں کا مقدّر ہے عصمتؔ
جو ایفائے قول و قسم دیکھتے ہیں

ایسے بیمار کی دوا کیا ہے
جو بتاتا نہیں ہوا کیا ہے

کون سنتا ہے اس زمانے میں
کس سے کہئے کہ التجا کیا ہے

درد پر دوسروں کے ہنس دینا
یہ بھی اچھا ہے تو بُرا کیا ہے

ہاتھ اُن کا تھا تیغ اُن کی تھی
گر گلا کٹ گیا گلہ کیا ہے

لبِ بیمار تھرتھراتے ہیں
جھک کے سنئے ذرا دعا کیا ہے

حضرتِ خضر بھی بتا نہ سکے
زندگانی کا مدّعا کیا ہے

فخرِ خاتونِ ہند ہے عصمتؔ
ہم سے پوچھے کوئی وفا کیا ہے

ماخذ:۔ اوراقِ گل، پٹھان شاعرات اُردو، چند یادگار مشاعرے، گلدستہ مشاعرہ نمائش (۱۹۰۷ء)
ذکی الکاکوی

عِصمت

عصمت جہاں بیگم عصمت کا مولد ومنشا بریلی تھا۔ والد بزرگوار کا اسم گرامی مولوی ظہورالدین تھا۔ جو بریلی کے قدیم باشندے اور معروف وکیل تھے۔ عصمت کی پیدائش ۱۹۲۷ء میں ہوئی۔ ۱۹۴۵ء میں گورنمنٹ گرلز کالج بریلی میں زیر تعلیم تھیں۔ عصمت کی والدہ ظفر جہاں بیگم بھی اردو کی قابلِ ذکر ادیبہ تھیں ایسی والدہ کی تربیت نے عصمت میں شعری وادبی ذوق بیدار کیا۔ ۱۹۴۵ء میں بریلی میں ہونے والے خواتین کے مشاعرے میں آپ نے شرکت کی تھی۔ اس سے زیادہ معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔

نمونہ کلام

یہ آج تجھے کیا دلِ دیوانہ ہوا ہے
آدابِ محبت سے بھی بیگانہ ہوا ہے

افسانۂ ہستی کا تسلسل اسے تو بہ
عنوان ہی افسانہ در افسانہ ہوا ہے

اب حسن و محبت کی ہے تصویر مکمل
افسانہ ترا اب مرا افسانہ ہوا ہے

پھر ذکر ترا اپنے لبوں تک نہیں لاتا
پھر ہوش میں شاید ترا دیوانہ ہوا ہے

معراجِ محبت دلِ عصمت کو مبارک
سنتی ہوں کہ خاکِ درِ جانانہ ہوا ہے

غزالہ

حُسن آرا بیگم نام۔ میمونہ خطاب اور غزالہ تخلص تھا۔ آپ کے والد مولوی عبدالاحد الہ آباد میں ملازم تھے۔ غزالہ نومبر ۱۹۱۱ء کو سہارنپور میں پیدا ہوئیں۔ اور بچپن الہ آباد میں گزرا۔ قرآن کریم پڑھنے کے بعد اردو فارسی انگریزی کی تعلیم گھر پر بڑی بہن پنہاں بیلوی سے حاصل کی۔ ۱۹۲۷ء میں احسان الٰہی سے شادی ہوئی۔ شوہر کے ساتھ دہلی میں رہیں۔ "تذکرہ شاعرات اردو" کی طباعت کے زمانے میں (۱۹۴۴ء) دہلی ہی میں مقیم تھیں۔ آزادی کے بعد پاکستان چلی گئیں۔ بریلی وطن تھا۔

غزالہ کی پرورش ایسے گھر میں ہوئی جس کی تین بیٹیاں عفت پنہاں اور جمال کا شمار اردو کی قابلِ ذکر شاعرات میں ہوتا تھا۔ گھریلو ماحول نے آپ میں بھی شعری ذوق پیدا کیا۔ ۱۹۲۵ء سے باقاعدہ شعر کہنا شروع کیا۔ نظم و نثر میں یکساں طبع آزمائی کرتی تھیں۔ اصلاح اپنی بڑی بہنوں پنہاں اور جمال سے لیتی تھیں۔ کلام اکثر رسائل میں شائع ہوتا تھا۔ ایک شعری مجموعہ "غزال" بھی شائع ہوا تھا۔ غزل اور نظم میں خوب طبع آزمائی کرتی تھیں بقول جمیل بریلوی ـــ

"جذباتی اور وجدانی اعتبار سے آپ کا کلام بہت بلند ہے۔ آپ نے محاکات کی بھی نہایت عمدہ مثالیں پیش کی ہیں۔ آپ کا کلام بہت پُرکیف اور پُرتاثیر ہے۔ طرزِ ادا بہت دلکش اور صاف ہے"۔

نمونۂ کلام

عارض ہیں برق خندہ زن اک اِس طرف اک اُس طرف
آنکھیں ہیں دو رنگیں چمن اک اسطرف اک اسطرف
پلکوں کی جنبش اک طرف آنکھوں کی جنبش اک طرف
دو سامری ہیں خندہ زن اک اسطرف اک اُسطرف

اک اشارے سے جہانِ عشق روشن ہو گیا
ذرّہ ذرّہ غیرتِ صحرائے ایمن ہو گیا

احترازِ مے خُدایا کیا کروں
ہاتھ میں پھولوں کے رنگیں جام ہے
جستجوئے ذوقِ منزل مرحبا
اب مری پرواز نزدِ بام ہے
لوٹ لے میرا متاعِ زندگی
اے نگاہِ نازیہ انعام ہے

شوقِ دیدار ایک اُلجھن ہے
اُلجھنیں دل کی بار بار نہ پوچھ
ایک آنسو ہے ترجماں دل کا
حالتِ چشم اشکبار نہ پوچھ
دھڑکنیں بڑھ گئیں غزالؔ اب تو
دل کی حالت کا اضطرار نہ پوچھ

لیلیٰ کی کہانی تو برسوں کی پرانی ہے
اب اور سنا مجنوں تازہ کوئی افسانہ
کوثر بھری آنکھوں سے مت دیکھ ادھر ساقی
اُٹھتے ہی نظر تیری بیہوش ہے دیوانہ

(نظم) "ندی کے کنارے"

دہقاں کی پیاری لڑکی ندی پہ جلوہ زا ہے
ساری کا سبز آنچل سر سے ڈھلک رہا ہے
ہونٹوں پہ ہے تبسّم، نظریں جھکی ہوئی ہیں
معصوم حُسن بے خود انگڑائی لے رہا ہے
ہاتھوں میں چوڑیوں کی رنگین لہریاں ہیں
اک نیم باز غنچہ کا لوں میں ہنس رہا ہے
معصوم سادگی میں لاکھوں تجلّیاں ہیں
ماتھے کا سُرخ ٹیکا شعلہ بنا ہوا ہے
مژگاں میں مست پُتلی رقصاں ہے یا ستمگر
کالی گھٹا میں کوئی انگڑائی لے رہا ہے
گیسو سے نرم جھونکے کچھ چھیڑ کر رہے ہیں
ان پیاری انکھڑیوں میں ساغر چھلک رہا ہے
بجلی تڑپ رہی ہے ہر ہر نظر میں قاتل
ہر اک ادا میں ظالم شعلہ بھڑک رہا ہے
معصومیت کی پتلی، دیوی نزاکتوں کی
تیری ادائے سادہ جنّت نہیں تو کیا ہے

تابشِ جمال تو　　نازشِ خیال تو
رخصتِ کمال تو　　ہے دلِ غزال تو
رازِ غم سنائے جا
بانسری بجائے جا

خاک پہ دشت اڑائے جا
بانسری بجائے جا

ماخذ: "تذکرہ شاعرات اردو"

غزالہؔ

غزالہ اشفاق شاہجہانپور کے معروف مزاح نگار شاعر ائیل شاہجہانپوری کی بیٹی ہیں۔ مقامی نشستوں میں ایک زمانے میں شرکت کرتی تھیں۔ ترنم بہت اچھا تھا۔ کلام بھی ملک کے معروف رسائل میں خوب شائع ہوتا تھا۔ ماہنامہ "شمع" اور "بیسویں صدی" کے پرانے رسائل میں اکثر غزلیں ملتی ہیں۔

نمونہ کلام

چھڑ گیا بزم میں جب تذکرۂ اہل وفا
جانے کیوں اس نے مری سمت بھی دیکھا یارو
ساری محفل کی نظر اٹھ گئی ان کی جانب
بزم میں کس نے میرا نام لیا تھا یارو
ذکر محبوب نہیں قربت محبوب سے کم
چھیڑ دو تذکرۂ ساغر و مینا یارو
وہ کہیں لاکھ غزالہ سے ہے نفرت ہمکو
کہیں انداز محبت بھی ہے چھپتا یارو

سُن لی جو اتفاق سے اک دن تمہاری بات
کانوں کو پھر پسند نہ آئی کسی کی بات

افسانہ کہہ رہی تھی میں اشعار سے تھکے و :
جیسے انہیں کا قصّہ ہو جیسے انہیں کی بات

خورشید کی ضیا کو زمانہ نہ بھول جائے
کرنے لگے ہیں ذرّے بھی اب روشنی کی بات

بگڑا جو ہم سے کوئی تو ہم مسکرا دیئے
ہم کو بُری لگی نہ غزالہ کسی کی بات

تمہیں ناپسند کیوں ہیں مری بے زبانیاں اب
یہ تمہیں تو چاہئے تھے کوئی بات کی نہ جائے

ترے حُسن کی شعاعیں تری بزم کو مبارک
مرے گھر سے شام غم کی کبھی تیرگی نہ جائے

غمِ زیست کا مداوا مئے ناب ہے تو لیکن
بڑی تلخ شے ہے وہ بھی کہیں تم سے پی نہ جائے

میں اُسے چھپاؤں کیسے جو ہر ایک پر عیاں ہے
مرے چہرے پر نوشتہ غمِ دل کی داستاں ہے
یہ حسیں گناہ کتنے نہیں لوٹنے کے واعظ
ابھی حسرتیں ہیں دل میں ابھی آرزو جواں ہے
مری زندگی غزالہ اسی کشمکش میں گزری
کبھی کوئی آزمائش کبھی کوئی امتحاں ہے

غزالہ

جمال پرویز نام اور غزالہ صفدری تخلص ہے۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۵۳ء کو دھامپور کے معروف گھرانے کے فرد صفدر حسین صفدر کے یہاں پیدا ہوئیں غزالہ صفدری کے گھر کا ماحول بڑا پاک صاف ہے۔ والدہ کا انتقال بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ والد نے دوسری شادی آپ کی خالہ سے کی جو ایک اعلیٰ تعلیمیافتہ خاتون ہیں۔ غزالہ نے ایم۔ اے۔ بی ایڈ تک تعلیم حاصل کی۔ ۲۴ ستمبر ۱۹۷۶ء کو آپ کی شادی محمد ناظم صاحب بڈھاپور سے ہوئی بڈھاپور ہمالیہ کے سرسبز و شاداب دامن میں آباد ہے۔

غزالہ صفدری کو جو ماحول ملا وہ بڑا ادبی تھا۔ آپ کے والد صفدر دھامپوری ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ آپ کے دولت خانے پر شعراء و ادباء کی اکثر نشستیں رہتی ہیں۔ ننھیال اور ددھیال میں شعری چرچے عرصے سے ہیں۔ نانا مولوی ظہور الحسن زنجانی اچھے شاعر و ادیب تھے۔ اور دادا قاضی علی حسین اختر بہت اچھے ادیب تھے۔ اس ادبی فضا نے ابتدا سے ہی شعری ذوق پیدا کر دیا تھا۔ اتفاق سے آپ کی شادی بھی علم و ادب سے معمور گھرانے میں ہوئی۔

مشاعروں میں شرکت نہیں کرتی ہیں۔ کبھی کبھی کلام "روبی"، "فلمی ستارے" وغیرہ میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ غزل آپ کی پسندیدہ صنف سخن ہے۔ کلام پر اصلاح والد صفدر دھامپوری سے لیتی ہیں۔ آپ کی غزلوں میں غزل کے رنگ رچاؤ کے ساتھ ساتھ فکر کی بلندی بھی جلوہ گر ہے۔

نمونۂ کلام

جب ملو تم تو زندہ دلی سے ملو
آدمی بن کے تم آدمی سے ملو

خوشبوؤں میں بسی شاخِ گل کی طرح
تم حقیقت نما زندگی سے ملو

خود نمائی کا انجام شرمندگی
تم جہاں جب ملو سادگی سے ملو

دشمنی دوستی میں بدل جائے گی
کر کے احسان تم عاجزی سے ملو

رازِ انسانیت حسنِ اخلاق ہے
آئینہ بن کے بے چہرگی سے ملو

لوگ تم کو رکھیں یاد تا زندگی
اپنے اسلاف کی سادگی سے ملو

ہے غزالہ کا کہنا بجا دوستو!
بے غرض ہی ملو جب کسی سے ملو

شامِ فراق صبح کے تاروں کا تذکرہ
کیا دلنشیں ہے ہجر کے ماروں کا تذکرہ

موجوں نے بڑھ کے اُن کا سفینہ ڈبو دیا
جو لوگ کر رہے تھے کناروں کا تذکرہ

میں سوچتی ہوں جیسے مرے پاؤں سو گئے
کرتا ہے جب بھی کوئی سہاروں کا تذکرہ

ہر صبح میں ہے شام کی تنہائیوں کا درد
پھولوں کے ساتھ ساتھ ہے خاروں کا تذکرہ
آنسو مچل کے کتنے ہی پلکوں پہ آ گئے
چھیڑا جو میں درد کے ماروں کا تذکرہ
تاریکیاں ہی راس غزالہ جب آ گئیں
بے فائدہ ہے چاند ستاروں کا تذکرہ

لوگ راہوں میں ایسے بھی ملتے گئے
جو گرے اور گر کر سنبھلتے گئے
جیسے جیسے یہ بڑھتی گئی خودسری
آدمیت کے چہرے بدلتے گئے
گمرہی جب مقدر بنی دوستو
راستے خود بخود ہی بدلتے گئے
وہ نقیبِ زمانہ غزالہ رہے
وقت کے ساتھ جو خود بدلتے گئے

فرزانہ

فرزانہ شفق نام اور فرزانہ تخلص ہے۔ آپ کی پیدائش علم و فضل سے معمور گھرانے کے فرد شفق وارثی بدایونی کے یہاں مئی ۱۹۴۹ء میں شاہجہانپور میں ہوئی جو اب شفق صاحب کا وطنِ ثانی بن چکا ہے۔ گھریلو تعلیم کے بعد اسکول میں داخل کی گئیں۔ جی۔ بی آئی کالج شاہجہانپور

سے انٹرمیجیٹ، گاندھی فیض عام کالج سے بی۔ اے اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم۔ اے (انگریزی) کیا۔

فرزانہ کے دادا مولوی عبدالحیؔ[1] صفاؔ بدایونی کے مشہور شاعر وادیب تھے۔ آپ کے والد شفقؔ بدایونی صاحبِ دیوان شاعر ہیں۔ اُن کے علاوہ آپ کے ایک بھائی رشکؔ[2] بدایونی بھی پاکستان کے اچھے شعراء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ گھر کی اس ادبی فضا نے فرزانہ کے ذوق کو اُبھارا۔ نظم گوئی زیادہ پسند ہے۔ گاہے گاہے غزل بھی کہتی ہیں۔ کلام رسائل و جرائد میں بھی شائع ہوتا رہتا ہے۔ کلام میں سادگی و صفائی کے ساتھ جوش و جذبہ پایا جاتا ہے۔

نمونہ کلام

زندہ باد اے ہندوستان ارفع و اعلیٰ تیری شان
تجھ سے ہے عہد و پیمان چاہے اپنی جائے جان
ہونے نہ دیں تیرا اپمان، زندہ باد اے ہندوستان

پالا پوسا تو نے ہم کو تو نے بخشا ارض ارم کو
اونچا کریں تیرے پرچم کو شان دکھائیں دو عالم کو

---

[1] عبدالحی نام اور صفاؔ تخلص تھا۔ والد کا نام مولوی فقیہہ الدین تھا۔ شاعری میں حضرت مذاقؔ میاں کے شاگرد تھے۔ نظم و نثر میں کافی کتابیں شائع ہوئیں۔ چند مشہور کتابوں کے نام اس طرح ہیں۔ تذکرہ شمیم سخن حصہ اول۔ دوم، "تذکرۃ الصلحا"، تذکرہ مذاق سخن، عمدۃ التواریخ، تاریخ عرب، مثنوی نغمہ بے بدل، وغیرہ۔ صفاؔ کی وفات ۱۶ رمضان ۱۳۳۶ھ مطابق ۹ اگست ۱۹۱۴ء کو ہوئی۔

[2] رشکؔ بدایونی کے حالات کیلئے "کاروانِ ابر" ملاحظہ کریں

ہونے نہ دیں تیرا اپمان زندہ باد اے ہندوستان

چین و پاک کی مستی کیا ہے، برٹش کی ادا ضتی کیا ہے
امریکہ کی دھمکی کیا ہے روس کو ہم نے سمجھا کیا ہے

ہونے نہ دیں تیرا اپمان زندہ باد اے ہندوستان

ویر ہیں ہم ویر دل کا بھارت ہر بچے کو جنگی مہارت
حملوں کو کر دینگے اکارت کیسے کرے گا کوئی جسارت

ہونے نہ دیں تیرا اپمان زندہ باد اے ہندوستان

ملک کی فرزانہ خوشحالی عیش ہے اپنا زیست ہے اپنی
کہتی ہے یہ جنتا ساری جے ہو جئے بھارت ماتا کی

ہونے نہ دیں تیرا اپمان زندہ باد اے ہندوستان

فیاض

فیاض بانو بریلی کی باشندہ تھیں۔ آپ کی غزل میں توانائی ہے۔
نعت میں عقیدت کا اظہار بھی بڑے سلیقے سے کرتی تھیں۔

نمونہ کلام

پھر طور کا جلوہ مجھے اک بار دکھا دو
پردہ رخ روشن سے ذرا اپنے ہٹا دو
اب خواب ہی میں صورت زیبا کو دکھا دو
دل میں جو مرے آگ لگی ہے وہ بجھا دو

اک بار ذرا چشمِ کرم سے مجھے دیکھو
دل کی مرے خوابیدہ اُمنگوں کو جگا دو
دنیا سے کوئی کام نہ عقبیٰ سے غرض ہو
وہ بے خودئ عشق کا اک جام پلا دو
تم مالکِ کونین ہو مختارِ دو عالم
تم چاہو تو بگڑی ہوئی قسمت کو بنا دو
جل کر بنے ہر ذرّہ مری خاک کا اکسیر
وہ برق مرے خرمنِ ہستی پہ گرا دو
فیّاض پہ اک بار تو للّٰہ کرم ہو
ہاں خواب ہی میں روضۂ پُر نور دکھا دو

تم سے نقابِ حُسن اٹھایا نہ جا سکا
مرہونِ التفات بنایا نہ جا سکا
اک بندۂ نیاز کی مجبوریاں نہ پوچھ
ان کا خیال دل سے بھلایا نہ جا سکا
تم کیا گئے کہ آگ سی سینے میں جل اٹھی
گھر میں لگی ہوئی کو بجھایا نہ جا سکا
محفل میں ان کے سامنے آنسو نکل پڑے
آنکھوں سے رازِ عشق چھپایا نہ جا سکا

ملکہ فیروز زمانی بیگم نام، چھٹّو بی عرفیت اور فیروز تخلص تھا۔ والد کا

اسمِ گرامی صاحبزادہ صابر علی خاں تھا جو ریاست ٹونک کے نواب خاندان سے تھے۔ رامپور کے نواب خاندان سے آپ کا قریبی رشتہ تھا۔ صابر علی صاحبِ دیوان شاعر تھے فیروز کی والدہ ملکہ جہاں بیگم عرف چندہ بیگم محلہ گھیر سعید خاں مراد آباد کی ساکن تھیں۔ ۱۹۰۵ء میں فیروز کی شادی سرائے ترین سنبھل سے صاحبزادہ شفیع الدین کے ساتھ ہوئی۔ شوہر سے اختلاف کی وجہ سے ۱۲ سال بعد طلاق لے لی۔ ۱۹۲۶ء میں معروف شاعر باغ سنبھلی[1] کے نکاح میں آئیں۔

شعر و سخن کا ذوق خوب تھا۔ اسی کی بدولت باغ سنبھلی کی قربت بھی نصیب ہوئی۔ انہوں نے اوائلِ عمر میں دو[2] نظمیں مچھر نامہ اور کھٹمل نامہ کہی تھیں۔ جو دلچسپ تھیں۔ ان کے اشعار اعلیٰ ذوق کی نشاندہی کرتے ہیں۔ فیروز بیگم نے خاصی عمر پائی۔ ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو مالکِ حقیقی سے جا ملیں

نمونۂ کلام

دستِ شیریں سے شہادت نہ ہوئی والئے نصیب
خونِ فرہاد سرِ گردنِ فرہاد رہا

وعدہ ایفا نہیں کرتا ہے جو فرماتے ہیں
آئیں گے آئیں گے فیروز اگر یاد رہا

---

[1] فضلِ رب نام باغ تخلص، والد کا نام عزت اللہ عباسی تھا سنبھل مراد آباد میں پیدا ہوئے داغ دہلوی سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ آپکے والد سنبھل میں وکالت کرتے تھے۔ باغ کا شمار داغ کے منتخب شاگردوں میں ہوتا ہے۔ ۱۹۳۵ء میں وفات پائی۔ نمونہ کلام۔

یہ ثابت ہوگیا ہے امتحاں سے
محبت اٹھ گئی سارے جہاں سے

ترا نقشِ قدم ہو جس زمیں پر
نہ بدلوں اس زمیں کو آسماں سے

(چند یادگار مشاعرے)
ذکی تالگانوی

قمر

قمر جہاں بیگم قمر بریلوی کے حالات دستیاب نہ ہو سکے۔ آپ کے کچھ قطعات "وقت کی آواز" نامی کتابچہ سے نقل کیے جاتے ہیں۔ جس کے مرتب نند کشور مصر افلک بریلوی ہیں۔

نمونہ کلام

قطعات:-

وقت کی جسکو ضرورت ہے وہ ساماں ہو گیا
دردِ اُردو مٹ گیا ہر غم کا درماں ہو گیا
وقت کی آواز اس طرح سے آئی سامنے
ہر بیابانِ ادب، رشکِ گلستاں ہو گیا

زندگی بخش فضاؤں کی قسم کھاتی ہوں
آج نسیمِ بہاروں کا سماں چھایا ہے
کس نے آواز اٹھائی ہے خلوصِ دل کی
کون محفل میں یہ اندازِ دگر آیا ہے

ہر قدم پر زندگی ہے ہر قدم پہ ہے بہار
آج ہر اہلِ ادب کے دل نے پایا ہے قرار
زندۂ جاوید کچھ نظموں کا مجموعہ ہے یہ
وقت کی آواز ہے قبلہ فلک کا شاہکار

زندگی کے راستوں میں رہبری کرتے رہیں
رونقِ اردو رہے یہ مائلِ احساں رہیں
ہے قمر اپنی دعا ہر دم خدا سے بس یہی۔
"وقت کی آواز" کے باقی صدا شاداں رہیں

ماخذ: "وقت کی آواز"

قیصر

قیصر جہاں نام، قیصر تخلص تھا۔ کرت پور ضلع بجنور وطن تھا۔ کلام رسائل میں شائع ہوتا تھا۔ نمونہ کلام جو دستیاب ہو سکا اس سے پتہ چلتا ہے کہ سادگی و سلاست آپ کی شاعری کے عنصر ہیں۔

نمونہ کلام

نظم، "اشکوں کے پھول"[1]

میری امّی خدمتِ اقدس میں با صد احترام
آپ کی ناچیز لونڈی پیش کرتی ہے سلام
قیصرِ غمگیں کی یہ سوغات کر لیجئے قبول
نذرِ خدمت کر رہی ہوں آج کچھ اشکوں کے پھول

آپ جب سے ہو گئیں ہیں راہیٔ ملکِ عدم
دل پہ میرے چھا گئے ہیں سیکڑوں رنج و الم

---

[1] یہ نظم ماہنامہ "بانو"، اپریل ۱۹۵۱ء کے شمارے میں شائع ہوئی تھی جو والدہ کی وفات پر کہی گئی تھی۔

کیا خبر تھی آپ اس طرح خفا ہو جائیں گی
زندگی بھر کے لئے مجھ سے جدا ہو جائیں گی

ہائے امّی اب کسے کہہ کر پکاروں امّی جان
ہائے مجھ پر رنج و غم کا پھٹ پڑا ہے آسمان

کون اب میری محبت سے کرے گا دیکھ بھال
کس کو ہوگا اب مری تکلیف و راحت کا خیال

زیرِ طوفانِ زندگانی کا سفینہ آگیا
موت کا قسمت کے ماتھے پر پسینہ آگیا

کون اب سمجھائے گا مجھ کو بٹھا کر پیار سے
کون ہوگا ہائے غمگیں اب مرے آزار سے

میری امّی غم کی ماری قیصر برباد ہے
آپ کی یہ لاڈلی بیٹی بہت ناشاد ہے

کافر

فرخ جمال نام اور کافر تخلص تھا۔ بقول مولانا آسی ـــ " آپ جہان آباد پیلی بھیت کی رہنے والی ہیں ... مسلم گرلز اسکول علی گڑھ کی

لے تذکرۃ الخواتین ، از مولانا عبدالباری آسی ۔

نوٹ :۔ راقم الحروف نے کافر کے مزید حالات و کلام کے سلسلے میں جناب نشاط پیلی بھیتی سے رابطہ قائم کیا۔ انہوں نے جہان آباد جاکر معلومات حاصل کیں اور ایک خط میں تحریر کیا ۔ " مسلم بزرگوں سے دریافت کیا گیا گو کہ وہ بزرگ خالص ادبی نہیں کچھ سیاسی کچھ کاشتکار تھے ۔ لیکن پڑھے لکھے لوگ ہیں ۔ حالانکہ جہان آباد جو ادبی سرزمین بتائی

تعلیم یافتہ تھیں۔ والدین کا سایہ سر سے اُٹھ جانے کے بعد زیادہ وقت درس و تدریس میں گزارتی تھیں۔ مؤلف "شاعراتِ اردو" آپ کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"آپ کی شاعری میں صرف خیال آفرینی اور لفظی صناعی ہی نہیں جذبات کی ترجمانی بھی موجود ہے۔ آپ کے اشعار بہت پُرکیف اور بلند پایہ ہوتے ہیں۔ زبان و بیان پر بڑی قدرت حاصل ہے۔"

نمونۂ کلام

بدمستیٔ شبینہ کا لمحہ شباب اُلٹا
جس میکدے میں پہنچے جامِ شراب اُلٹا
ساقی سے کہہ رہا ہے شکوے شباب اُلٹا
کشتیٔ مے میں کب تک جامِ شراب اُلٹا
شرم و حیا نے بڑھ کر خود آئینہ دکھایا
بے تابیوں نے بڑھ کر طرفِ نقاب اُلٹا
اُٹھتی نہیں نگاہیں شرم اے گناہِ اُلفت
ہم اُن سے کہہ رہے ہیں کافر حجاب اُلٹا

جاتی ہے۔ اب بالکل بدل چکی ہے۔ کافر کا پتہ کسی نے نہیں دیا۔
(اقتباس مکتوب نشاط پیلی بھیتی بنام شاداب ذکی)

ماخذ:۔ تذکرۃ الخواتین، "شاعرات اردو"

کشور

کشور سلطانہ نام اور اس کا جزو اوّل (یعنی کشور) تخلص ہے۔ ۱۹۴۶ء میں میرٹھ میں پیدا ہوئیں۔ والد ماجد کا اسم گرامی محمد ہاشم تھا جو مقامی اسکول میں صدر مدرس تھے۔ مرحوم نہایت دیندار تھے۔ کشور سلطانہ کی ابتدائی تعلیم والد کے زیر سایہ ہوئی۔ ۱۹۵۹ء میں آپ کی والدہ کا انتقال ہوا اس کے چند ماہ بعد شفیق والد بھی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ والدین کی وفات کے بعد کشور صاحبہ اپنے تین بھائی بہنوں کے ساتھ بڑے بہنوئی فاروق احمد عاصم کے ساتھ دیوبند میں رہنے لگیں۔ ۱۰ رجون ۱۹۶۳ء کو آپ کی شادی معروف شاعر شکیل احمد عاصم بریلوی سے ہوئی۔ جن کا ۱۹ ردسمبر ۱۹۸۶ء کو انتقال ہو گیا۔ اولاد میں چار بچے ہیں۔ مستقل طور پر کرت پور ضلع بجنور میں مقیم ہیں۔

ادبی ذوق بچپن سے ہے۔ آپ کے خاندان میں علامہ عامر عثمانی، طرب میرٹھی، شمس نوید عثمانی، مسعود جاوید جیسے اہل قلم ہوئے ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے دلی جذبات کو شعر کا جامہ والدہ کی وفات پر پہنایا۔ گھر کا ماحول خالص مشرقی ہونے کے سبب اس کا اظہار نہ کر سکیں۔ شادی کے بعد آپ کے اس ذوق نے جلا پائی۔ شوہر عاصم بریلوی نے آپ کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں بھرپور تعاون دیا۔

کشور سلطانہ کا کلام ملک کے معیاری رسائل میں اکثر شائع ہوتا ہے۔ مجموعۂ کلام "قندیلِ احساس" ترتیب دیا جا چکا تھا مگر شوہر کی اچانک موت نے آپ کی اس خواہش کو ابھی پورا نہیں ہونے دیا ہے کلام میں سلاست و سادگی کے علاوہ احساسات و جذبات کی ترجمانی

ملتی ہے۔

نمونہ کلام

تڑپے ہے کبھی ہجر میں فریاد کرے ہے
دل بھولنے والے کو بہت یاد کرے ہے

ان اہلِ خرد سے تو ہے دیوانہ ہی بہتر
اُجڑے ہوئے صحرا کو جو آباد کرے ہے

اس کے لیئے کرتے ہیں فرشتے بھی دعا ئیں
جو بے کس و مجبور کی امداد کرے ہے

یہ دور تو ہے دورِ ہوس اس میں بھی کشورؔ
تو تذکرۂ وامق و فرہاد کرے ہے

خوب واقف ہوں کہ کیا یہ زندگی دے گی مجھے
عیش و عشرت عارضی، غم دائمی دے گی مجھے
جیسے تیسے دھوپ سے خود کو بچایا تھا مگر
کیا خبر تھی شب کو شعلے چاندنی دے گی مجھے
جیتے جی کشورؔ غمِ دوراں سے بچنا ہے محال
موت ہی آکر سکونِ دائمی دے گی مجھے

یوں شبِ غم ہماری بسر ہو گئی
دل تڑپتا رہا اور سحر ہو گئی
لوگ پھرتے ہیں خنجر بکف ان دنوں
پُرخطر اتنی ہر رہگذر ہو گئی

اِک متاعِ گراں جس کو سمجھا کیے
آج وہ زندگی دردِ سر ہو گئی

وہ عمارت جو اک دن فلک بوس تھی
دیکھتے دیکھتے ہی کھنڈر ہو گئی

وہ بھی کشور پریشاں پریشاں سے ہیں
کیا انہیں میرے غم کی خبر ہو گئی

کلیم

رامپور شعر و ادب کا بڑا مرکز رہا ہے۔ اس سرزمین پر بڑے بڑے اساتذہ نے دن گزارے ہیں۔ اور اس کی عظمت اور مرتبے کو تسلیم کیا ہے کلیم النساء کلیم اسی شہر سے تعلق رکھتی تھیں۔ اور اچھی غزل گو تھیں۔

نمونہ کلام[1]

لبِ نازک پہ یوں آئی ہنسی آہستہ آہستہ
چمن میں جیسے کھلتی ہے کلی آہستہ آہستہ

ترا غم چھا رہا ہے رفتہ رفتہ میری ہستی پر
بدلتی جا رہی ہے ہر خوشی آہستہ آہستہ

بُری گزری کہ اچھی ہم نشیں یہ پوچھنا کیا ہے
شبِ غم کاٹنی تھی کٹ گئی آہستہ آہستہ

---

[1] ماہنامہ شمع دہلی ۱۹۷۰ء

چمن میں مسکرانے کو اگر کلیوں نے لب کھولے
ہنسی لب پر خزاں کے آ گئی آہستہ آہستہ

تصور نے تمہارے چپکے چپکے لوریاں جب دیں
مریضِ غم کو پھر نیند آ گئی آہستہ آہستہ

اچٹتی سی نگاہِ اولیں تھی اے کلیم اس کی
مگر وہ کام اپنا کر گئی آہستہ آہستہ

کلیمؔ

سیوہارہ ضلع بجنور کی معروف بستی ہے۔ طنز و مزاح کے معروف شاعر ہلالؔ سیوہاروی کا تعلق اسی سرزمین سے ہے۔ شمیم فاطمہ بیگم کلیمؔ بھی یہیں کی رہنے والی تھیں۔ کلام شائع ہوتا رہتا تھا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی۔

نمونۂ کلام

"گنبدِ خضرا کے مکیں سے"

رخِ انور سے پردے کو ہٹا دو
ہٹا دو یا رسول اللہ ہٹا دو

جمالِ حق نما اپنا دکھا دو
دکھا دو یا رسول اللہ دکھا دو

پڑی سوتی ہے غفلت میں امت
اور اس پر چھا رہا ہے ابرِ نکہت

خدا کے واسطے اس کو جگا دو
جگا دو یا رسول اللہ جگا دو

مری کشتی بھنور میں آ گئی ہے
ضرورت ناخدا کی ہو رہی ہے

خدارا اس کو طوفاں سے بچا دو
بچا دو یا رسول اللہ بچا دو

مدد کو آؤ مشکل میں پھنسی ہوں
لگائے آس میں در پر پڑی ہوں
مری بگڑی ہوئی کو بھی بنا دو
بنا دو یا رسول اللہ بنا دو
میں صدقے آپ کے نور جبیں کے
ہیں دشمن جس قدر دین مبیں کے
غضب کی برق ان سب پر گرا دو
گرا دو یا رسول اللہ گرا دو
بہت مدت ہوئی ہے جی کو کھوتے
اور آنسو حسرتوں کے روتے روتے
بہت میں رو چکی اب تو ہنسا دو
ہنسا دو یا رسول اللہ ہنسا دو

کملا چودھری

کملا چودھری کی پیدائش لکھنؤ کے ایک کائستھ گھرانے میں ۱۹۰۸ء میں ہوئی۔ آپ کے والد رائے من موہن دیال ڈپٹی کلکٹر تھے۔ کملا چودھری کی شادی بریلی کے ایک اعلیٰ خاندان کے فرد جے نرائن چودھری کے ساتھ ہوئی۔ جو ہومیوپیتھی کے معروف ڈاکٹر تھے۔ میرٹھ میں مطب کرتے تھے۔ کملا چودھری ابتدا سے ہی وطن پرست تھیں اور کانگریس سے منسلک تھیں۔ جنگِ آزادی کی سرگرم رکن تھیں۔ دو مرتبہ جیل بھی گئیں۔ آپ پارلیمنٹ کی ممبر بھی رہی تھیں اور دستور ساز اسمبلی کی رکن بھی تھیں۔

آپ کے والد نے شیواجی کے خط بنام راجہ جے سنگھ کا ترجمہ اردو زبان میں منظوم کیا تھا۔ کملا چودھری ہندی اردو میں یکساں طبع آزمائی کرتی تھیں۔ ایک اچھی شاعرہ ہونے کے ساتھ ساتھ اچھی افسانہ نگار بھی تھیں۔ افسانوں کے مندرجہ ذیل چار مجموعے ہندی میں شائع ہوئے تھے۔

۱۔ یاترا۔ یہ اردو زبان میں بھی طبع ہوا
۲۔ پرشادی کمنڈل

۳- اُنماد

۴- بیل پتر

آپ نے رباعیات عمر خیام کا منظوم ترجمہ اردو قطعات میں کیا تھا جو ۱۹۵۲ء میں دیوناگری رسم الخط میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ اُن کی ہندی اودھی اور اُردو نظموں (ظریفانہ) کا مجموعہ "اپن من جگت کی ہنسی" ۱۹۵۲ء میں ہندی میں شائع ہوا۔

فنِ شاعری میں جگر بریلوی کی شاگرد تھیں۔ آپ کے دولتخانہ پر میرٹھ میں ادبی محفلیں خوب آراستہ ہوتی تھیں جن میں تسکین قریشی، جگر بریلوی، روش صدیقی، جگر مرادآبادی جیسے اہلِ قلم بھی شریک ہوتے تھے اُردو کلام بھی شائع کرانے کے لئے مرتب کیا تھا۔ مگر شائع نہ ہو سکا۔ جولائی ۱۹۷۰ء میں وفات پائی۔

نمونۂ کلام

قطعات

دیکھ دیکھ کر جگ ہنستا ہے
میرا ٹیڑھا میڑھا گات،
روش بتاؤ میں کیا جو
کانپ گیا کرتا کا ہاتھ

بکھرے گلابوں سے دامن جو
دھو رُت آتی منڈ میں چور
کیقباد جمشید ہمارے
لے جائیگی ہم سے دُور

پا نہ سکا جس کی کنجی میں
ایک کھڑا تھا ایسا دوار
پڑا ایک تھا ایسا پردہ
نظر نہ پہنچی جس کے پار

ذکر سنا میرے تیرے کا
وہ بھی بس ملے دو چار
اور اچانک لوٹ گیا پھر
میں تو ہی کی چرچا کا تار

ماخذ:- رسالہ اکادمی (جولائی اگست سنہ ۱۹۸۴ء)

مخفی، نور جہاں نور بدایونی کی بڑی بہن اور چودھری اساس الدین کی صاحبزادی تھیں، رسول جہاں نام تھا۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں لوازہ (بدایوں) میں پیدا ہوئیں۔ والد کے جوانی میں انتقال کے بعد والدہ نے بڑے ناز و نعم سے پرورش کی۔ نانا چودھری احمد حسن علیل[1] اور ماموں چودھری ابوالحسن بصیر[2] حیات تھے ان حضرات نے سرپرستی کی۔ تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ سنہ ۱۹۲۱ء

---

[1] احمد حسن علیل کا شمار لوازہ کے رئیسوں میں ہوتا تھا۔ اپنے زمانے کے ممتاز شعراء میں تھے۔

[2] چودھری محمد ابوالحسن بصیر معروف افسانہ نگار ابوالفضل صدیقی (ف ۱۹۸۸ء) اور انیس فاطمہ (مقیم بریلی) کے والد تھے۔ آپ ایم۔اے ایل ایل بی وکیل تھے۔ اچھے شاعر اور نثر نگار تھے۔
شاداب

میں آپ کا نکاح ڈاکٹر رفعت حسین سے ہوا جو اس وقت تعلیم حاصل کر رہے تھے
شادی کے بعد انہوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پی۔ ایچ ڈی کیا۔ اور مزید
تعلیم کے لئے آکسفورڈ گئے اور وہاں سے ڈی فل کی ڈگری حاصل کی۔ وہ
اس وقت ہندوستانی مسلمانوں میں پہلے شخص تھے جنہیں یہ اعزاز حاصل
ہوا۔ ہندوستان آتے ہی وہ علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبہ کیمسٹری (chemistry)
سے منسلک ہو گئے۔ ۱۹۴۴ء میں امپیریل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں اُن کا تقرر
ہو گیا اور وہ دہلی چلے گئے۔ تقسیم ملک کے بعد کراچی ہجرت کر گئے جہاں
جامعہ کراچی سے منسلک ہو گئے۔ انہوں نے دو لڑکے اور دو لڑکیاں یادگار
چھوڑیں۔ مخفی کا انتقال ۱۹۷۰ء میں ہوا!

مخفی پڑھی لکھی روشن خیال مشرقی خاتون تھیں۔ شعر و شاعری سے
مناسبت بچپن سے تھی۔ عمر کے ساتھ فکر میں وسعت و گہرائی پیدا ہو گئی تھی۔ مخفی
پہلے بیدل[1] تخلص بھی کرتی تھیں۔ وہ اپنے شعری مجموعہ "عروسِ سخن" (۱۹۴۶ء) میں
اپنی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں۔

> "میری شاعری کیا ہے؟ یہ میرے وقتاً فوقتاً دلی
> تاثرات و جذبات ہیں جو کبھی حُبِ رسول کی صورت اور
> کبھی قومی درد کی شکل میں میرے قلم سے نکلتے رہے ہیں۔
> میں نے دو چار غزلیں بھی کہی ہیں۔ اُن میں حتی الوسع فسانہ
> گل و بلبل سے دور رہنے کی کوشش کی ہے۔ عشق کے
> لائق میں ایک ہی کو سمجھتی ہوں اور اس کی تعریف آپ میری
> نعتوں میں دیکھیں گے۔"

کلام مخفی پر درد قومی و مذہبی رنگ چھایا ہوا ہے۔ انہیں زبان و بیان
پر قدرت حاصل تھی۔ آپ موقر رسائل میں بھی چھپتی تھیں۔ جمیل بریلوی آپ

---

[1] تذکرہ "شاعرات اردو" اور تذکرہ "شعرائے اتر پردیش" ع ۹ میں بیدل تخلص ہی لکھا گیا ہے۔

کی شاعری پر اظہار خیال کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"آپ کے کلام پر قومی اور مذہبی رنگ چھایا ہوا ہے۔ اسلام و بانیٔ اسلامؐ سے آپ کو عشق ہے۔۔۔۔ آپ کی نعتیں اکثر بلند اور پُر اثر ہوتی ہیں۔۔۔۔ آپ کا دل طبقۂ نسواں کی مظلومیت، جہالت، غفلت اور پستی پر بھی دُکھا ہے اور آپ نے اصلاح کی بھی کوشش کی ہے۔۔۔ آپ نے مسلمان مرد اور عورتوں کو بیداری اور عمل کا پیغام دیا ہے۔"

نمونۂ کلام

نعت:-

وہ رسولِ ہاشمی والا نسب عالی جناب
مظہرِ نورِ خدا برجِ شرف کا آفتاب
رحمتہ اللعٰلمین جس کو دیا حق نے خطاب
وہ شہِ اُمی لقب اور صاحبِ اُم الکتاب

رونقِ بزمِ جہاں وہ گلشنِ قدرت کا پھول
باعثِ تخلیقِ عالم جس کی ہے شانِ نزول

جس نے باطل کے سفینے کو ڈبویا وہ رسول
جس نے کفر و جہل کی ظلمت کو کھویا وہ رسول
اُمتِ عاصی کی خاطر جو نہ سویا وہ رسول
پیشِ خالق رات بھر سجدہ میں رویا وہ رسول

جس نے اپنے خوں سے سینچا گلشنِ اسلام کو
کر دیا روشن زمانے میں خدا کے نام کو

ختم کر طولِ بیاں اب بیدلِ خستہ جگر
ان مبارک ہستیوں کے واسطے سے عرض کر
اے خدا پھر دامنِ اسلام کو وہ دے گہر
جس کی تابانی سے خیرہ ہو زمانہ کی نظر
اے خدا صدیقؓ و فاروقؓ و علیؓ کو بھیج دے
سومناتِ دہر میں پھر غزنوی کو بھیج دے

"یثرب کے جانے والے"

اے دیارِ شہِ ذی جاہ کے جانے والے
خاص دربارِ شہنشاہ کے جانے والے
سرورِ خلق کی درگاہ کے جانے والے
منزلِ رحمتِ اللہ کے جانے والے
ہم سے برگشتہ نصیبوں کی خبر لیتا جا
تو سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا

جب ملے آہِ رسا کو تیری اذنِ پرواز
پہنچے تقدیر مجھے لے کے سرِ محفلِ ناز
کوئی تحفہ تو نہیں لائقِ سلطانِ حجاز
مگر اک عرض ہے ناچیز کی اے بندہ نواز
نذر کو چشمِ عقیدت کے گہر لیتا جا
تو سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا

آہ میں طاقتِ پرواز نہیں ہے نہ سہی
عشق میں جذب کا انداز نہیں ہے نہ سہی

نالۂ تاثیر سے دم ساز نہیں ہے نہ سہی
دل تجلی سے سرافراز نہیں ہے نہ سہی
میری شب کرنے کو مانندِ سحر لیتا جا
تو سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا

دل ہے آشفتہ، طبیعت ہے فغانی میری
قلق انگیز ہے اندوہ بیانی میری
نہ کہی جائے گی تجھ سے یہ کہانی میری
خوب ہوتا جو بیاں ہوتی زبانی میری
تو پئے ذکر مرا قلب و جگر لیتا جا
تو سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا

لیجئے بندِ مصیبت کے اسیروں کا سلام
لیجئے پاشہِ کونین فقیروں کا سلام
فاقہ مستوں کا غریبوں کا امیروں کا سلام
قوم کے طفلوں کا برناؤں کا پیروں کا سلام
گر سلام اپنا قبولِ شہِ والا ہو جائے
شبِ تاریکِ مصائب میں اجالا ہو جائے

"مسلم سے خطاب"

اے مسلماں ملتِ خیر البشر کے تاجدار
پیکرِ سعی و عمل تھا زیست کا تیری معمار
آیۂ لا تقنطو کا راز تجھ پر آشکار
سورۂ اِنا فتحنا سے عیاں تیرا وقار

اِک زمانہ خوشہ چیں تھا تیرے فیضِ عام کا
تجھ سے دنیا میں ہوا سرسبز باغ اسلام کا

تیری نظریں اِس جہانِ آب و گِل سے تھیں بلند
تیری فطرت تھی فضائے لامکاں سے بہرہ مند
گردشِ چرخِ کہن تھی تیرے حق میں سودمند
انقلابِ دہرِ فانی سے نہ تھا تجھ کو گزند

تیری ہستی نغمۂ توحید کا اک ساز تھی
کفر کُش باطل شکن جس کی ہر اک آواز تھی

آج ہستی تیری وقفِ ماتمِ امید ہے
تو ہے مُردہ تیری عظمت زندۂ جاوید ہے
اُٹھ کہ پھر درپیش بزمِ دہر کی تجدید ہے
تیری پیشانی میں تاباں جلوۂ توحید ہے

دور کر غفلت کے پردوں کو دلِ بیتاب سے
طالعِ خفتہ کو چونکا دے خودی کے خواب سے

تجھ سے کہتا ہے یہ فطرت کا تقاضا برملا
جادۂ حق پر چل اس کج روی سے باز آ
کفر کی آندھی بجھا دے شمعِ دینِ مصطفٰےؐ
ہے یہی تیری عقیدت ہے یہی پاسِ وفا

حق کے پرد الوں سے خالی حیف یہ محفل ہوئی
قومِ مسلم آہ کیوں نذرِ باطل ہوئی

پھر دکھا دے ذوالفقارِ حیدری کی شان کو
اور ابوبکرؓ و عمرؓ کی قوتِ ایمان کو
زندہ کر دے پھر جہاں میں سطوتِ عثمانؓ کو

پنجۂ باطل سے کر آزاد ہندوستان کو
چھیڑ دے سازِ خودی توحید کی مضراب سے
جاگ اُٹھیں پھر نیند کے مارے فنا کے خواب سے

نظم "عورت" سے۔

کیا ہے عورت؟ صانعِ قدرت کا رنگیں شاہکار
نشۂ مے کی لطافت حسنِ فطرت کی بہار
غنچہ و گل کا تبسم، موجِ دریا کا خرام
خود فراموشی کی دعوت خود فروشی کا پیام
کیا ہے عورت؟ ایک رنگیں اور دلکش خواب ہے
یا نزاکت کے چمن کا اک گلِ شاداب ہے
سادگی پر اسکی قرباں سیکڑوں رنگینیاں
اس کی خاموشی میں پنہاں اس کا اندازِ بیاں
ہے معلم درسِ اوّل کے پڑھانے کیلئے
خضرِ رہ ہے منزلِ مقصد بتانے کیلئے
اس کا زیور ہے عمل پوشاک ہے صبر و قرار
غم کی تلخی میں بھی ہے اس کا تخیّل خوشگوار
بیدلؔ اس جنسِ گراں مایہ کی ارزانی ہے آج
ماند اس نایاب گوہر کی درخشانی ہے آج

حرم و دیر میں کس طرح لگے دل اُس کا
جس کی نظروں میں ہو نقشہ ترے کاشانے کا

دیکھ کر اذنِ طرب ساقیٔ میخانے[1] کا
جھک کے منھ چوم لیا شیشے نے پیمانے کا
دیکھ جاؤ مرے مرنے کا تماشہ تم بھی
آخری باب ہے یہ زیست کے افسانے کا
مخفی اس طرح سے کچھ عمر بسر کی ہم نے
زندگی کا ہوا اطلاق نہ مرجانے کا

حاجت دوا کی اور نہ ضرورت دعا کی ہے
اب چھوڑ چارہ ساز جو مرضی خدا کی ہے
غیرت نے میری خود ہی سفینہ ڈبو دیا
دیکھا نظر پھری ہوئی کچھ ناخدا کی ہے
مخفیؔ پناہِ چادرِ زہرا رضہ نہ چھوڑنا
تعلیم تو سنا ہے کہ دشمن حیا کی ہے

---

[1] تذکرہ شعرائے بدایوں، میں پہلا مصرع اس طرح درج ہے
ع جوش پر رنگِ طرب دیکھ کے میخانے کا
ماخذ: ۱۔ عروس سخن۔ شاعراتِ اردو۔ تذکرہ شعرائے بدایوں

حسن آرا نام اور مخفیؔ تخلص ہے۔ ۲۳ر دسمبر ۱۹۰۵ء کو سہسوان ضلع بدایوں میں پیدا ہوئیں۔ والد کا نام مولوی سید محمود عالم تھا جو بڑے عالم اور طبیبِ حاذق تھے۔ ابتدا میں قرآنِ پاک پڑھنے کے بعد اردو، فارسی

پڑھی۔ سن ۱۹۲۰ء میں سید مشیر الحسن سے شادی ہوئی۔ جن کے ہمراہ بیکانیر دہلی، مسوری وغیرہ میں رہیں۔ جہاں سماجی کاموں میں دلچسپی لیتی تھیں۔ آزادی کے بعد پاکستان چلی گئیں۔ پاکستان میں بھی سماجی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں۔

شاعری کا شوق کم عمری سے ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ ذوق میں پختگی آئی۔ والد کے انتقال نے کلام میں غم کا اچھوتا تاثر پیدا کر دیا۔ جو قاری کو متاثر کرتا ہے۔ پاکستان میں خواتین کے مشاعروں کا بھی اہتمام کرتی ہیں۔ غزل و نظم میں طبع آزمائی کرتی ہیں۔ غزل ویسے آپ کی محبوب صنف سخن ہے

نمونہ کلام

مری حسرت نگاری کا اثر ہے
ہوئے جاتے ہیں وہ بھی خود فراموش
سنائیں کس طرح اپنا فسانہ
نہ تابِ گفتگو باقی نہ کچھ ہوش
کہاں مسکن بتائیں اس کا مخفی
گزاری عمر جس نے خانہ بر دوش

رنجِ سفر اٹھائے جا، یونہیں قدم بڑھائے جا
وادیٔ انتشار میں راہِ مفر کبھی نہ دیکھ

مخفیؔ خستہ حال تو دل میں لیا نہ آرزو
آگ ہیں اس چمن کے پھول ان میں شگفتگی نہ دیکھ

ماخذ: "تذکرہ شاعراتِ پاکستان"

سعیدہ جہاں نام اور مخفی تخلص ہے۔ ۱۵ر جولائی ۱۹۱۵ء کو علم وفضل سے مزین رامپور کے گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ والد کا نام قمر شاہ خاں (بی۔ اے آکسن بیرسٹر ایٹ لا) تھا۔ ابتدائی تعلیم مولوی محمد شفیع خاں رامپوری سے حاصل کی۔ بعد میں منشی الہ آباد کا امتحان پاس کیا۔ اپنی ذاتی لگن کی بدولت انگریزی بھی پڑھی۔ ۱۵ سال کی عمر میں رحمت بنی خاں سے شادی ہوئی۔

ادبی ذوق خاندانی ہے۔ آپ کے والد کے نانا محمد عثمان خاں کا تذکرہ کاملانِ رام پور اور تاریخ نثر اردو میں موجود ہے۔ علی گڑھ میں قیام کے دوران پروفیسر رشید احمد صدیقی کی قربت نے پختگی بخشی۔ شعر و شاعری سے لگاؤ بچپن سے ہی رہا ہے سیاست میں بھی دلچسپی رکھتی ہیں۔ اس سلسلے میں مولانا ابوالکلام آزاد جیسے رہنما کی رہنمائی نصیب ہوئی جنہیں وہ اپنا مرشدِ معنوی تسلیم کرتی ہیں۔ مخفی ایم۔ ایل۔ اے اور ایم۔ ایل۔ سی رہ چکی ہیں۔

نظم و نثر میں یکساں طبع آزمائی کرتی ہیں۔ دو کتابیں زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔

۱۔ توحیدِ مخفی در آئینہ وارث (۱۹۸۴ء)

۲۔ رموزِ مخفی (تلخیص انسانِ کامل) ۱۹۸۵ء

دونوں کتابیں بڑی عالمانہ ہیں جس سے مخفی کی علمی لیاقت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

پہلے مشاعروں اور ادبی کانفرنسوں وغیرہ میں خوب شرکت کرتی

تھیں۔ اب آپ کی زندگی خالص مذہبی ہے۔ وارثی سلسلے میں بیعت ہیں لباس بھی مخصوص رنگ کا استعمال کرتی ہیں۔ زیادہ وقت بریلی، علیگڑھ یا آستانۂ عالیہ دیوہ شریف میں گزرتا ہے۔

کلام میں گہرائی و گیرائی کے ساتھ ساتھ زور و اثر ہے۔

نمونہ کلام

سرمد و منصور و شبلی ڈھونڈتے ہیں گھر مرا
جب سے میں نے دردِ عالم دردِ جاناں کر دیا
ایک ترتیبِ عناصر کے سوا کچھ بھی نہیں
اضطرابِ زندگی کا نام انسان کر دیا
ہستیٔ آدم میں اپنا پرتوِ رُخ ڈال کر
پُتلۂ خاکی کو اک مغرور انساں کر دیا

جس کی ہے جلوہ گاہ طور حسن کا جسکے نام نور
جو ہے خیال سے بھی دور مجھ کو وہ دلرُبا دیا
کیفیتِ جنونِ عشق میں فرصتِ آگہی کہاں
مخفیٔ غمِ نصیب کو تو نے وہ مشغلہ دیا

یہ سر جو جھک گیا اک بار اُٹھ نہیں سکتا
میں جانتا ہوں کہ سجدوں سے بے نیاز ہو تم

ہے تفکر ہی مرا منزلِ مقصود مری
کہیں ظاہر کہیں باطن کہیں اخفا ہوں میں

فاطمہ زہرہ کے دلدوز تحمّل کی قسم
عظمتِ رفتہ سے دنیا میں چراغاں کردیں

وہ مرکزِ حیات ہو وہ جامعِ صفات جو مجھکو کھینچتا ہے وہ ساحل تم ہی تو ہو

زمانے کے جور و ستم بھی گوارا
اگر مجھ سے کہدے کہ یہ تیری خو ہے
چمن مسکرائے یا گُل کھِل کھلائیں
مرے سامنے تو وہی خندہ رو ہے
مرے غنچۂ دل میں مخفیؔ رہے گی
معطّر جو تیری محبّت کی بو ہے

جس کو تخیلات میں لانا بھی ہو محال
وہ ذاتِ باکمال بھی میری نظر میں ہے
کہنے کو دل فریب ہے دنیائے رنگ و بو
لیکن ہر اک مآل بھی میری نظر میں ہے
اے دوست تیرا کوئی بھی ثانی نہ ہو سکا
ہر شے کی اک مثال بھی میری نظر میں ہے

مخفیؔ سرزمینِ بدایوں سے تعلق رکھتی تھیں ۔ صرف ایک غزل دستیاب ہو سکی ۔ حالات بھی معلوم نہ ہو سکے ۔

نمونہ کلام

ہر نفس ہے حدیثِ سوز و گداز
ہر نظر آشنائے سرِ نیاز
ہیں تو روتی تھی لوگ ہنستے تھے
کتنا دلچسپ تھا مرا آغاز
کھول کر رکھ دیا مآلِ سکوں
مرحبا درد تیری عمر دراز
دردِ گلفت کی انتہا ہو کر
آج ہونا ہے زیست کا آغاز
اے تمنّا فریب دے اُس کو
جس نے دیکھے نہ ہوں نشیب و فراز
غم کی ہستی کا ماورائے خرد
اُس میں ہے ارتقائے زیست کا راز
مانتی ہوں کہ راز ہے مخفی
ہاں مگر بے نیاز محرمِ ناز

مخفیؔ

ریاض الدین کی شریکِ حیات تھیں۔ امروہہ ضلع مراد آباد وطن تھا۔ مخفیؔ تخلص کرتی تھیں۔ دہلی میں بھی قیام رہا۔ شعر و شاعری سے فطری ذوق تھا۔ کلام خوب شائع ہوتا تھا۔ ترکِ وطن کر کے پاکستان چلی گئیں تھیں۔ کلام صاف اور سلجھا ہوا ہے۔

نمونہ کلام

دیوانہ بن گیا کبھی فرزانہ بن گیا
دل اُن کے جرمِ عشق میں کیا کیا نہ بن گیا
جادو کوئی ضرور تمہاری نظر میں ہے
جس پر نگاہ ڈال دی دیوانہ بن گیا
اُن کا خیال رہنے لگا دل میں ہر گھڑی
مخفیؔ خدا کے گھر میں صنم خانہ بن گیا

اگر ہم جذبِ دل کی آزمائش پر اتر آئیں
چلے آؤ گے اُٹھ کر خود بخود تم اپنی محفل سے
کسی کی اک نگاہِ ناز نے دل کر دیا زخمی
کسی سے آنکھ ملتے ہی ہوئے ہم نیم بسمل سے
ہزاروں مرتبہ دیکھا کسی مہ وش کو اے مخفیؔ
مگر دیدار کی حسرت نہیں نکلی مرے دل سے

یہ حسینوں کی محبت میں کماں اچھا ہے
ایک کا حال بُرا ایک کا حال اچھا ہے

میری تقدیر کا بل کیا نکالے گا کوئی ہمدم
کبھی مٹتی نہیں تقدیر کی تحریر، کہتے ہیں

نعتِ رسول۔

تمہارا نام ہے وردِ زباں اے رحمتِ عالم
مگر پھر بھی مرے دل کی پریشانی نہیں جاتی
محمد مصطفٰےؐ معراج کی شب تم وہاں پہنچے
کسی صورت جہاں تک عقلِ انسانی نہیں جاتی
خدا کو آدمی پہچان سکتا ہی نہیں جب تک
نبی کی ذاتِ بابرکات پہچانی نہیں جاتی

شانِ مولا علی

بابا حسن حسین کے شوہر بتول کے
مولا علی، نبی کے برادر تمہیں تو ہو
واقف نہیں ہے کون کہ شیرِ خدا ہو تم
سب جانتے ہیں فاتحِ خیبر تمہیں تو ہو
مخفی یہ بھی رہو لطف و عنایت کی اک نظر
ہر بے کس و غریب کے یاور تمہیں تو ہو

میدانِ شاعری میں شاہجہانپور کو دلؔ شاہجہانپوری تلمیذ امیرؔ مینائی نے جو عظمت بخشی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ مبارکہ مریمؔ اسی سرزمین سے اُبھریں۔ اچھا شعر کہتی تھیں۔ کلام بھی خوب شائع ہوتا تھا۔ اب کافی عرصے سے آپ کا نام رسائل میں نظر نہیں آتا۔

نمونہ کلام

مری ہستی کسی ہستی میں اب ضم ہوتی جاتی ہے
دلی رشتوں کی یہ زنجیر محکم ہوتی جاتی ہے
ہجومِ یاس میں پھیلی ہوئی تاریکیاں تو یہ
چراغِ جستجو کی لو بھی مدّھم ہوتی جاتی ہے
تری ہر کیفیت کو دل میں وہ محسوس کرتے ہیں
ترے خوابوں کی یہ تعبیر مریم ہوتی جاتی ہے

بہل جاتے ہیں بہلانے سے وہ دل اور ہوتے ہیں
طبیعت اپنی کچھ ایسی ہے بہلائی نہیں جاتی
سمجھتا اور سمجھاتا کوئی کیا دل کے جذبوں کو
حقیقت دل کی جب خود دل کو سمجھائی نہیں جاتی
خطا ہے اپنے دل کی یا شرارت اُن کی آنکھوں کی
گرہ ایسی ہے یہ جو ہم سے سلجھائی نہیں جاتی

کر دیا ہے دل کی اس چاہت نے دیوانہ مجھے
شمع تو اُن کو بنایا اور پروانہ مجھے
آپ تو تمہید ہی میں رہ گئے دل تھام کر
کہہ تو لینے دیجئے اس دل کا افسانہ مجھے
زیست ہے پینے کا اور پی کر بہک جانے کا نام
آپ کی نظروں نے بخشا ذوقِ رندانہ مجھے

ماخذ:۔ بیسویں صدی فروری ۱۹۷۵ء، اپریل ۱۹۷۵ء، شمع اگست ۱۹۷۶ء

مشتری

جہاں آرا نام اور مشتری تخلص تھا۔ پیلی بھیت وطن تھا۔ ایک غزل "محفلِ خواتین" میں شامل ہے[1]۔ روہیل کھنڈ کے اضلاع میں سب سے کم شاعرات پیلی بھیت میں ہی دریافت ہو سکیں۔ مشتری کے اشعار روایتی انداز کے ہیں۔

نمونۂ کلام

بے پردہ کوئی سامنے آتا چلا گیا
صبر و سکون، قرار مٹاتا چلا گیا

کچھ بات ہی تو تھی جو مجھے آگئی پسند
ہر ہر قدم پہ سر کو جھکاتا چلا گیا

پیرِ زمیں بھی مجھ کو نہ ملنے دیا سکوں
ٹھوکر ہزار بار وہ لگاتا چلا گیا

قربان اُس کی چشمِ غزالی پہ مشتری
ہر ہر نظر سے برق گراتا چلا گیا

---

[1] "محفلِ خواتین"، صفحہ ۲۳۳

مہر

مہر النسا خانم نام، مہر تخلص تھا۔ بشر رئیس رامپوری کی ہمشیرہ ہیں۔ اور فنِ شاعری میں انہیں سے اصلاح بھی لیتی تھیں۔ کلام اکثر

رسائل میں شائع ہوتا تھا۔ محفلِ خواتین" میں اُن کی کئی غزلیں، نظمیں اور قطعات شامل ہیں۔

نمونۂ کلام

جلوے دکھا کے اور پشیماں نہ کر مجھے
کیا کم ہے یہ نظارۂ شام و سحر مجھے
رہ رہ کے چھیڑتی ہے کسی کی نظر مجھے
دل کو خبر مری ہے نہ دل کی خبر مجھے
پھر اس حسیں نے مجھ کو نظر سے گرا دیا
ہاں پھر ذرا سنبھالنا دردِ جگر مجھے
حد سے بڑھا تو جوش بھی نالوں کے مٹ گئے
اب باعثِ قرار ہے دردِ جگر مجھے
ناواقفِ سخن ہے مری ذات وہ تو مہرؔ
جرأت دلا رہے ہیں جنابِ شررؔ مجھے

یہ حیرانی نہیں جاتی پریشانی نہیں جاتی
غرض دل کی مرے آشفتہ سامانی نہیں جاتی
کفن میں جا رہی ہوں منہ چھپائے اپنا دنیا سے
وہ مجرم ہوں کہ مر کر بھی پشیمانی نہیں جاتی
ارے توبہ شبابِ حسن کی نیرنگیاں توبہ
وہ بھی تم ہو کی صورت ابھی پہچانی نہیں جاتی
بدل ڈالا طبیعت کو زمانے کے حوادث نے
نہیں جاتی مگر فکرِ غزل خوانی نہیں جاتی

ایک نظم کے چند بند

تیری فطرت میں صداقت، حسنِ تسلیم و رضا
تجھ کو فرمانِ الٰہی یاد رہتا ہے سدا
معدنِ شرم و حیا ہے مخزنِ لطف و عطا
اے کہ تیری ذات ہے آئینۂ شانِ خدا
مرحبا مرحبا
مرحبا اے عظمتِ خاتونِ مشرق مرحبا

تجھ کو تہذیب نوی سے کوئی مطلب ہی نہیں
تیری عصمت پر تصدق دولتِ دنیا و دیں
تیرے سینے میں نہاں ہے درسِ ختم المرسلیں
بارگاہِ ایزدی سے ہر شرف تجھ کو ملا
مرحبا مرحبا
مرحبا اے عظمتِ خاتونِ مشرق مرحبا

مہر قمر فرشوری ۱۹۳۸ء میں بدایوں کے علمی گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ والد کا اسم گرامی مولوی مختار جمیل تھا۔ جو ایک اچھے شاعر اور ماہر تعلیم تھے۔ ۱۹۵۴ء میں جناب قمر فرشوری سے شادی ہوئی۔ آپ کے دو صاحبزادے امریکہ میں اور ایک مدینہ منورہ میں برسر روزگار ہیں۔

مہر کی تعلیم و تربیت ایسے لوگوں کے زیر سایہ ہوئی جو شعر و ادب کا ستھرا ذوق رکھتے تھے۔ پروفیسر ضیا احمد بدایونی اور آفتاب احمد

جوہر آپ کے عزیز تھے۔ شاعری کا ذوق بچپن سے ہے۔ باقاعدہ کسی سے اصلاح نہیں لی۔ خاندان کے لوگوں سے مشورہ سخن کیا۔ مشاعروں اور ادبی تقاریب میں کم شریک ہوتی ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو کے پروگراموں میں شریک ہوتی رہتی ہیں۔ کلام رسائل میں شائع ہوتا ہے۔ کم کہتی ہیں مگر خوب کہتی ہیں۔

شوہر کے ہمراہ دہلی میں مقیم ہیں۔

نمونہ کلام

وُہ صحنِ کعبہ تھا، یہ نقشِ پائے یار ہے مہرؔ
یہاں جبیں کی جگہ دل جُھکائے جاتے ہیں

تو میری لغزشِ لمحاتیہ نہ جا ظالم
یہ دیکھ بارِ تمنا اُٹھا کے لائی ہوں
قدم قدم پہ جُھکے جا رہے ہیں دل والے
یہ کس کے در سے جبیں کو اٹھا کے لائی ہوں
پلک کے اشک میں اے مہرؔ رنگِ خونِ وفا
ہر ایک قطرہ کو موتی بنا کے لائی ہوں

ادائے ترکِ تعلق انہیں جو بخشی ہے
ہمیں بھی ترکِ تمنا کا حوصلہ دے دے
گزر رہی ہوں میں اُسکی گلی سے رُک رُک کر
اس آسرے پہ کہ وہ مہرؔ پھر صدا دے دے

وہاں کے ذرّہ ذرّہ سے ابھی تک خوں ابلتا ہے
جہاں گھبرا کے ڈالی تھی لنگا ہِ بے کسی میں نے
کہانی آرزوؤں کی تبسّم اور اشکوں سے
زمانے کو سنائی ہے کبھی تم نے کبھی میں نے
شعورِ فکر و فن سے مہر دنیا جگمگا اُٹھی
سرِ محفل جلایا جب چراغِ شاعری میں نے

مینا

مینا ناز صدیقی نام، میناؔ تخلص ہے۔ وطن مرادآباد ہے۔ کلام ملک کے معیاری رسائل میں شائع ہوتا رہا ہے۔ غزل ترنم سے پڑھتی ہیں کلام میں تازگی اور سادگی پائی جاتی ہے۔

نمونۂ کلام

دمک اُٹھے ہیں زخموں کے نگینے
مجھے آواز دی ہے جب کسی نے
ضرورت پڑ گئی ہو گی ہماری
انھیں ٹھکرا دیا ہو گا کسی نے
نہ جانے کیوں تمہاری چاپ سن کر
دھڑک اٹھتے ہیں قصرِ دل کے زینے
چھپایا تھا بہت رازِ محبّت
بھرم کھویا ہے آنکھوں کی نمی نے

نظامِ دھر برہم کر دیا ہے
کسی کے گیسوؤں کی برہمی نے
طلاطم پر نہیں موقوف مینا
کنارے پر بھی ڈوبے ہیں سفینے

یہ سمجھ لو ہم نے دیکھا تھا کوئی حسین سپنا
میں تمہیں بھلا چکی ہوں، مجھے تم بھی بھول جاؤ
مرے دل کے ٹوٹنے پر تمہیں کس لئے الم ہے
مری زندگی سے کھیلو، مرے غم پہ مسکراؤ
مری ذکرِ شعر میں ہے تپشِ ضمیرِ مینا
ہے مری غزل کی تہہ میں غمِ زیست کا رچاؤ

ماخذ:۔ شمع اگست ۱۹۷۶ء اگست ۱۹۷۵ء

جمیل فاطمہ نام اور نازؔ تخلص تھا۔ حمیدی خاندان سے تھیں۔ بدایوں محلہ سوتھا میں رہتی تھیں۔ پاکستان بننے کے بعد ترکِ وطن کر کے وہاں چلی گئیں تھیں۔ آپ کی نظمیں بڑی موثر ہوتی تھیں۔ آپ کی ایک نظم "بیتے دنوں کی یاد" کے بارے میں فاروق محشر بدایونی کی رائے یہاں درج کی جاتی ہے۔

"محترمہ نازؔ حمیدی صاحبہ کی یہ نظم اُن کے تاثرات جمیل اور خوش فکری کی آئینہ دار ہے۔ جو انہوں نے بورڈنگ

کے گزرے ہوئے لمحات کی یاد میں لکھی ہے۔ جب کہ ہال کی رنگین جاذبیت مناظر نے اُن کو اشعار کہنے پر مجبور کر دیا،،

نظم

نمونہ کلام

گلشن کی مست ہواؤں سے کچھ پیار سا ہوتا جاتا تھا
اُمید کے دلکش خوابوں میں دل آپ ہی کھوتا جاتا تھا
فطرت کے حسیں نظاروں سے کچھ پیار سا ہوتا جاتا تھا

جب مست ہوائیں آتی تھیں جب کالی گھٹائیں چھاتی تھیں
جس وقت کنول کھل جاتے تھے گلشن میں بہاریں آتی تھیں
فطرت کے حسیں نظاروں سے کچھ پیار سا ہوتا جاتا تھا

جب رات کی خاموشی بڑھ کر عالم میں سکوں بن جاتی تھی
جب زہرہ سازِ فطرت پر اک نغمۂ رنگیں گاتی تھی
فطرت کے حسیں نظاروں سے کچھ پیار سا ہوتا جاتا تھا

نظم "بیوہ اور غُربت،، کے چند بند

ایک ہیرا بے بہا دنیا کا ٹھکرایا ہوا
اک اچھوتا راگ لیکن ساز پر گایا ہوا
اک دماغ افکارِ بے پایاں کا چکرایا ہوا
پھول سا چہرہ مگر حد درجہ کمہلایا ہوا
خاک پر بیٹھی تھی اک پردہ نشیں افکار میں
ڈھونڈتی تھی جا بجا کچھ خاک کے انبار میں

اک نمونہ تھی مصائب کا کسی کی یاد میں
بندۂ اللہ جیسے جنتِ شدّاد میں

سینکڑوں اجمال کی تفصیل اک روداد میں
دل ہلا دینے کی طاقت جملۂ فریاد میں

اضطراری کیفیت زیر و زبر کرتی ہوئی
خستہ کپڑے آنسوؤں سے خشک و تر کرتی ہوئی

کمسنی میں بیوگی کے غم، مصیبت کا شکار
نفس کش احساس مردہ، زندگانی سوگوار

کون ہے کس سے چھپا رکھا ہے تو نے حالِ زار
اتنے ڈاکو اور اس میں ایک امانت کا یہ بار

جو چھپا رکھنے سے ظاہر ہو جوانی ہے وہی
ناز جو بندش شکن ہو بس روانی ہے وہی

ناز

شکیلہ اکبر نام، ناز تخلص ہے۔ وطن مراد آباد ہے۔ حالات دریافت نہ ہو سکے۔ کلام رسائل میں شائع ہوتا ہے۔

نمونۂ کلام

ہستی کو غمِ دل کا افسانہ کہا جائے
احساس کی شدت کا پیمانہ کہا جائے

اخلاق سے چاہت سے اور مہر و محبت سے
اس دور کے انساں کو بیگانہ کہا جائے

وہ جن کی نگاہوں سے صہبا سی چھلکتی ہے
ان نرگسی آنکھوں کو میخانہ کہا جائے

اے نازؔ نہیں جس کے پھولوں پہ تبسم بھی
اس صحنِ گلستاں کو ویرانہ کہا جائے،

اٹھائیں مشکلیں کیا کیا نہ زندگی کے لئے
گوارا کرلیا ہر غم تری خوشی کے لئے
زمانہ سمجھا نہ اُس کے خلوص کی قیمت
کہ جس کے دل نے سہے رنج ہر کسی کے لئے
غمِ حیات کی تاریکیوں میں نازؔ اکثر،
جلایا دل کا لہو ہم نے روشنی کے لئے

نازلی

نازلی سلیم نازلی معروف شاعرہ تھیں۔ وطن بجنور تھا۔ کلام اخبارات و رسائل میں شائع ہوتا تھا۔

نمونہ کلام

"اشکِ غم"

تمہاری یاد میں اک ٹیس اٹھتی ہے مرے تن میں
بہائے ہیں جو آنسو جذب ہیں سب میرے دامن میں
مگر تم بے خبر ہر حسینہ سے ہوتے ہو مدفن میں
نہ بہلا دل تمہارا آہ اس دنیائے پرفن میں
عزیز از جاں ہیں تم کو اب بھی یاد کرتی ہوں

وہ اچھی موہنی سی شکل و صورت یاد آتی ہے
محبت اور سراپا محبت یاد آتی ہے
وہ بھولی بھالی اور معصوم فطرت یاد آتی ہے
وہ اپنے گھر کی اک گم گشتہ دولت یاد آتی ہے
عزیز از جان میں تم کو اب بھی یاد کرتی ہوں

تمہاری یاد عاصم آج تک بھی مونس جاں ہے
بہت آرام سے ہو تم وہاں یہ میرا ایماں ہے
تمہارے واسطے ہر پھول جنت کا گلستاں ہے
مگر دنیائے آب و گل میں، میں ہوں درد و حرماں ہے
عزیز از جان میں تم کو اب بھی یاد کرتی ہوں

یہ مانا تم وہاں بھی کھیلتے ہو ماہ پاروں سے
تمہاری دوستی ہے عرش اعظم کے ستاروں سے
یہ مانا واسطہ ہے تم کو جنت کی بہاروں سے
مگر یوں روٹھنا اچھا نہیں ہے اپنے پیاروں سے
عزیز از جان میں تم کو اب بھی یاد کرتی ہوں

رہے گی وقف غم یہ چند روزہ زندگی کب تک
یوں ہی چھائی رہے گی دل پہ یہ افسردگی کب تک
رہے گی ہجر میں بے کل تمہاری آپا جی کب تک
پریشاں آرزوئے دید میں ہو نا رہی کب تک
عزیز از جان میں تم کو اب بھی یاد کرتی ہوں

ماخذ :- "محفل خواتین" صفحہ ۱۸۶

نازؔ

نازنین بیگم نام اور نازؔ تخلص ہے۔ آبائی وطن شاہجہاںپور ہے۔ ۲۵ر دسمبر ۱۹۲۵ءکو حسن پور مرادآباد میں پیدا ہوئیں۔ والد کا اسم گرامی محمد الطاف علی خاں تھا جو ریاست محمود آباد میں تحصیل دار تھے۔ نازؔ نے اردو، فارسی کی تعلیم اپنے نانا محمد اسد اللہ خاں سے حاصل کی۔ محمد اسد خاں اردو، فارسی کے عالم اور ایک اچھے شاعر تھے۔ ۱۹۴۳ء میں محمد تقی خاں سے شادی ہوئی۔ تقسیمِ وطن کے بعد کراچی چلی گئیں۔

شاعری کی ابتدا نانا کے زیرِ سایہ ہوئی۔ بعد میں نثر نگاری کی طرف بھی توجہ کی۔ اور افسانے وغیرہ لکھے۔ انہیں لکھنؤ میں قیام کا بھی موقع ملا جہاں کی فضا نے اُن کے شعری شعور کو پختگی عطا کی۔ کلام میں سلاست و روانی کے ساتھ ساتھ جذباتِ نسواں کی نمایاں جھلک نظر آتی ہے۔

نمونہ کلام

خلوتِ ناز میں کچھ اور ہی رونق ہوتی
کوئی خلوت میں اگر انجمن آرا ہوتا

اِس احتیاط نے افشا کیا ہے رازِ جنوں
نہ اِس کے سامنے آؤں، نہ کچھ کہوں نہ سنوں
چلی ہوں انجمنِ شوق کی طرف لیکن،
یہ احتیاطِ دل و جاں بہ حالتِ محزوں،

نظر جب سے کسی کی مہرباں معلوم ہوتی ہے
یہ دنیا گلستاں در گلستاں معلوم ہوتی ہے
سزا ہر جرم کی منظور ہے مجھ کو مگر یہ کیا؟
کہ ہر لغزش پہ فطرت ہم زباں معلوم ہوتی ہے
وہاں اپنا سفینہ لے چلی ہوں میں ڈبونے کو
جہاں ہر موج بحر بیکراں معلوم ہوتی ہے
گئے وہ دن کہ لطف آتا تھا کانٹوں سے الجھنے میں
ہنسی بھی اب تو پھولوں کی گراں معلوم ہوتی ہے
یہ کس جنت میں لے آیا ہے پیمانِ وفا دل کو
کہ ہر صورت یہاں آرام جاں معلوم ہوتی ہے
جو گزری ہے کسی کے ساتھ اس عمرِ دو روزہ میں
وہ ساعت نازِ عمر جاوداں معلوم ہوتی ہے

قسم خدا کی یہ وارفتگی نہ تھی مجھ میں
کسی کے عشق سلیقہ شعار سے پہلے
سدا بہار ہو تم اور میری قسمت ہو
کوئی بہار نہ تھی اس بہار سے پہلے

ماخذ:۔ شاعرات پاکستان، پٹھان شاعرات

ناھیدؔ

ناہیدؔ اختر کا تعلق ضلع بجنور کی مشہور بستی کرت پور سے تھا۔ کلام رسائل میں شائع ہوتا تھا۔ آپ کی ایک نظم ماہنامہ "بیلمین،، دھلی میں جون جولائی ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی تھی۔ جو بطور نمونہ کلام پیش ہے

"وعدہ"

میں تیری بزم کی زینت بڑھانے آؤں گی
میں ترے دیدۂ تر میں سمانے آؤں گی
میں ترے دل کی لگی کو بجھانے آؤں گی
ترے خیال کو جنت بنانے آؤں گی
میں آج رات کو وعدہ نبھانے آؤں گی

میں اپنے روئے درخشاں سے چاندنی لے کر
میں اپنے عارضِ تاباں سے روشنی لے کر
میں اپنے حسنِ غزل خواں سے نغمگی لے کر
شباب و شعر کے نغمے سنانے آؤں گی
میں آج رات کو وعدہ نبھانے آؤں گی

قدم قدم پہ لٹاتی ہوئی بہاروں کو
نظر نظر سے لجاتی ہوئی ستاروں کو
نفس نفس میں لجاتی ہوئی شراروں کو
میں تیری بزمِ تمنا سجانے آؤں گی
میں آج رات کو وعدہ نبھانے آؤں گی

مرے کرم کے طلبگار منتظر رہنا
شرابِ حسن کے میخوار منتظر رہنا
"اسی جگہ"، مرے دلدار منتظر رہنا
شبِ فراق کا جھگڑا مٹانے آؤں گی
میں آج رات کو وعدہ نبھانے آؤں گی

ماخذ :- ماہنامہ - "چلمن" صفحہ ۱۵

ناہید

اردونا بیگم نام اور ناہید تخلص ہے - بدایوں میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے بڑے بھائی نصیب بھی اپنے زمانے کے اچھے شاعر تھے۔ ناہید ایک عرصے سے دہلی میں مقیم ہیں - آپ کے کچھ عزیز اب بھی بدایوں میں ہیں۔ کلام صاف اور سلجھا ہوا ہے۔ پہلے کلام رسائل وغیرہ میں بھی شائع ہوتا تھا۔

نمونہ کلام

گرمیٔ حسن اُن کو کیا جانے
وہ جو دل سوزیاں ہماری ہیں
جو تبسم میں تم چھپاتے ہو
ہائے باتیں وہ کیسی پیاری ہیں
نہ سہی دل نواز اب وہ خرام
اس کے احسان دل پہ بھاری ہیں

خوں شدہ حسرتیں آب بن کے ابھریں
دل سے آنکھوں کی راہ جاری ہیں

گھر میں تمکیں تھی نہ صحرا میں اماں تھی پہلے
زندگی دوشِ جنوں پر بھی گراں تھی پہلے

میری خاموشی بھی دنیا سے کبھی گویا تھی
بے زبانی ہی کبھی اپنی زباں تھی پہلے

اب تو اک نغمۂ خودداریٔ غم ہے پیہم
لب پہ میرے جو کبھی آہ و فغاں تھی پہلے

فیصلہ جب کیا جینے کا قضا بھی آئی
کوئی ظالم سے یہ پوچھے تو کہاں تھی پہلے

حسن کو ناز تھا گر شعلہ رُخی پر اپنی
عشق کی زندگی بھی شعلہ بجاں تھی پہلے

بزمِ گل میں نہیں سوسن تو چمن سونا ہے
وہ زباں ہائے جو گلشن کی زباں تھی پہلے

آ کے دلّی میں خدا جانے یہ گمنامی کیوں
ورنہ ناہید یہی ہیچمداں تھی پہلے

مآخذ

"تذکرہ غیر مسلم شعرائے بدایوں" از شاداب ذکی صفحہ ۱۶۵
ماہنامہ "شمع" فروری ۱۹۶۴ء صفحہ ۵۷

ناھید

ناہید مرزا ضلع مراد آباد کی مشہور بستی امروہہ کی رہنے والی تھیں "شمع،، دہلی کے مارچ ۱۹۶۹ء کے شمارے میں آپ کی ایک غزل شائع ہوئی تھی۔

نمونہ کلام

کوئی منزل ہی نہیں عشق کے دیوانوں کی
منزلتوں چھان چکے خاک بیابانوں کی
اُن سے میں کیسے کہوں لذتِ آلامِ حیات
پاسے ہیں جو سنکڑوں چھاؤں میں کاشانوں کی
رنج و آلام کو غم خانۂ دل راحت دے کر
دل نے یوں کی ہے تواضع مرے مہمانوں کی
میں لگا لوں بخوشی موت کو یہ کہہ کے گلے
زندگی دین ہے تو موت کے انسانوں کی
اے غمِ دوست تجھے چھوڑ نہ جاؤں تنہا
تجھ پہ دیوار کھڑی ہے مرے ارمانوں کی

نجمہ

جن شاعرات کا کلام اکثر اردو کے معیاری رسائل میں نظر آتا ہے۔ اُن میں ایک نام نجمہ عزیز مراد آبادی کا بھی ہے۔ اسم گرامی نجمہ سلطانہ واسطی، تخلص نجمہ ہے۔ تخلص کے ساتھ عزیز کا اضافہ شوہر

عزیز مراد آبادی کی مناسبت سے کرتی ہیں۔ نجمہ عزیز ۲۲ اپریل ۱۹۴۹ء کو سید شفیع الحسن واسطی کے گھر مراد آباد میں پیدا ہوئیں۔ ایم۔ اے (اردو) بی۔ ایڈ اور ادیب کامل (علیگ) کی ڈگریاں حاصل کیں ۱۹۷۱ء میں آپ کی شادی معروف شاعر عزیز مراد آبادی سے ہوئی۔ اولاد میں دو لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں۔

شاعری کا شوق شادی کے بعد پیدا ہوا۔ عزیز مراد آبادی جیسے جیون ساتھی کے مل جانے سے آپ کے ذوق کو جلا ملی ۱۹۷۵ء سے باقاعدہ شعر کہنا شروع کیا۔ عزیز مراد آبادی کو ہی اس فن میں استاد منتخب کیا۔ آپ کی پہلی تخلیق ۱۹۷۵ء میں ماہنامہ "شمع" دہلی میں شائع ہوئی۔ نجمہ عزیز مشاعروں میں شرکت نہیں کرتی ہیں۔ البتہ آپ کا کلام اکثر رسائل میں نظر آتا ہے۔ اور ریڈیو سے بھی نشر ہوتا ہے۔

آپ شاعری میں اصلاحی پہلو کو مدِ نظر رکھتی ہیں۔ غزل آپ کی محبوب صنفِ سخن ہے۔ اس کے علاوہ نظم میں بھی طبع آزمائی کرتی ہیں بقول نجمہ عزیز ـــــ

"میں شاعری صرف اپنے ادبی ذوق کی تسکین کیلئے کرتی ہوں۔ شہرت اور صلے کی تمنا میں نہیں[۱]"

آپ کا اندازِ بیان پُراثر ہے۔ کلام میں سلاست، سادگی اور روانگی پائی جاتی ہے۔ اشعار میں حالات اور زمانے کی تصویر کشی بھی ملتی ہے۔

---

[۱] راقم الحروف کو نجمہ عزیز نے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا۔

نمونۂ کلام

جب جب میں آئینہ دیکھوں
سامنے اُن کا چہرہ دیکھوں
وہ آئے ہیں میرے گھر میں
کب تک اُلٹا سپنا دیکھوں
ہے اُن کا اعجازِ محبّت
بھیڑ میں خود کو تنہا دیکھوں
امن کے دعویداروں کو بھی
جنگ پہ اب آمادہ دیکھوں
ظلم، تشدّد، عدمِ تحفّظ
دورِ حوادث کیا کیا دیکھوں

کون جانے میرے دل کی گہرائیاں
درد و غم کی ہیں دفن اس میں پرچھائیاں
یہ صلہ بے گناہی کا اچھا ملا
ہیں تعاقب میں اب میری رسوائیاں
کیوں ستاروں کے جھرمٹ میں ہنگامِ شب
ڈس رہی ہیں مجھے میری تنہائیاں
پھر سرِ شام یادِ اُن کی آنے لگی
بج اُٹھیں پھر فضاؤں میں شہنائیاں
ظلمتوں میں بُرائی کی دیکھی گئیں
قتل ہوتی ہوئی اپنی اچھائیاں

جان کر میں فریب کھاتی ہوں
اپنوں غیروں کو آزماتی ہوں
زندگی داد دے مجھے کچھ تو
تجھ کو ہر حال میں نبھاتی ہوں
جگ معمہ ہے کون سمجھے گا
میں بھی بس اٹکلیں لگاتی ہوں
اپنی خوشیوں کو بانٹ کر نجمہ
اور خوشیاں سمیٹ لاتی ہوں

آنکھ میں آنسو لب پہ آہیں
سُوا گت کرتی غم کی باہیں
اُف! دونوں کی یہ مجبوری
ہم چاہیں اور وہ نہ چاہیں
جیون کے گُلشن پہ ہر دم
وقت کی شُعلہ بار نگاہیں
سکھ کی دولت ساتھ نہ لے چل
جیون کی مخدوش ہیں راہیں
آج ہیں وہ بھی خون کے پیاسے
پہلے جو دیتے تھے پناہیں
نجمہ کے اشعار انوکھے
سامع، قاری خوب سراہیں

ہم اپنی شاہکار غزل چھوڑ جائیں گے
دنیا کے لئے تاج محل چھوڑ جائیں گے
آئندہ سب کو بخشے گا جو رہنمائے دل
ہم اپنے پیچھے ایسا بھی کل چھوڑ جائیں گے
مانا کہ ہیں پلان ہمارے بڑے مگر
اوروں کے لئے زیر عمل چھوڑ جائیں گے
شعروں کی شکل میں یہاں نجمہ عزیز ہم
کیچڑ میں بے شمار کنول چھوڑ جائیں گے

خون میں بھیگے پرندے دیکھ کر تھرا گئی
دل تڑپ اٹھا اچانک یاد ان کی آ گئی
اُن کے اقرارِ محبت کی ادائے دل نواز
اس دلِ وحشی کو پل بھر کیلئے بہلا گئی
دیکھ کر پھولوں کو یاد آ گیا اپنا وطن
دیکھ کر کانٹے گلوں کی دشمنی یاد آ گئی
تھی تو امیدِ سکوں نجمہ مگر یہ کیا ہوا
زندگی طوفان کی زد پہ ہماری آ گئی

سہسوان ضلع بدایوں کی تحصیل ہے۔ یہ بستی علم و ادب کے لئے بہت مشہور رہی ہے۔ نجمہ یہیں کی رہنے والی تھیں۔ کلام رسائل وغیرہ میں شائع ہوتا تھا۔ آپ کی ایک غزل ماہنامہ

چلمن[۱] کی جون جولائی سنہ ۱۹۵۱ء کی اشاعت سے نقل کی جاتی ہے۔
اس سے زیادہ حالات و کلام دستیاب نہ ہو سکا

نمونۂ کلام

دل کی چھوٹی سی اک کہانی ہے
آپ سُن لیں تو مہربانی ہے

زائدہ کیا کہوں جو اپنی بات
آپ نے کب کسی کی مانی ہے

کیوں نہ بدمستیوں کی بن آئے
حُسن ہے اور پھر جوانی ہے

سچ ہے پیغام دوست جھوٹ نہیں
ہاں مگر غیر کی زبانی ہے

کیا کریں جی کے آخرش نجمہ
غم سے معمور زندگانی ہے

نرجس زیدی نام اور نرجس تخلص کرتی ہیں۔ ۱۹؍ ستمبر ۱۹۴۳ء کو بچھرایوں ضلع مرادآباد میں پیدا ہوئیں۔ والد کا اسم گرامی سید علی امیر زیدی تھا۔
شعر خوب کہتی ہیں۔ کلام بھی شائع ہوتا رہتا ہے۔ زیادہ حالات

۱؎ یہ رسالہ دہلی سے شائع ہوتا تھا۔ اس کے مدیران انور دہلوی اور اظہار اثر کرتپوری تھے۔

دریافت نہ ہو سکے۔

نمونۂ کلام

بے گانہ خود کو خود سے بنائے رکھا سدا
ذی ہوش ہو کے ہوش گنوائے رکھا سدا

پھینکا اُتار کر نہ ذرا بارِ زندگی
کاندھوں پہ آسمان اٹھائے رکھا سدا

مایوسیوں کے دشت میں ہنستی رہی حیات
صحرا کو لالہ زار بنائے رکھا سدا

نرجس سب اپنے شوق کے زیور اُتار کر
ہم نے عروسِ فن کو سجائے رکھا سدا

بربادیٔ خزاں کا اثر دیکھتی رہی
ہر شاخِ گل کو خاک بسر دیکھتی رہی

اک عالمِ خیال تھا کچھ بھی رہا نہ یاد
کیا دیکھنا تھا اور کدھر دیکھتی رہی

کچھ اس طرح بھی جانبِ منزل مجھے لیے گئے
حیرت سے جن کو راہ گزر دیکھتی رہی

لٹتے ہوئے یہ وقت کے ہاتھوں متاعِ دل
دیکھی نہ جا رہی تھی مگر دیکھتی رہی

تاریکیوں سے رک نہ سکا کاروانِ عزم
شب میں بھی میں تو نورِ سحر دیکھتی رہی

والبستہ کر کے شوق دلِ بد نصیب سے
فطرت مذاق کرتی رہی ہے غریب سے
خود اس کی زندگی کسی محشر سے کم نہیں
دیکھا جس آدمی کو بھی ہم نے قریب سے

نہ مے خانہ اپنا نہ پیمانہ اپنا
کرے بھی تو کیا ذوقِ رندانہ اپنا
کہاں تک جلاؤ گی اے بجلیو تم
گلستانِ عالم ہے کاشانہ اپنا

ماخذ:۔ آپ بیتی۔ حصہ دوم (۱۹۸۴ء) شمع دسمبر ۱۹۷۵ء۔

طنز و مزاح کے معروف شاعر دلکش آفریدی مرادآبادی کی شریک حیات نزہت لنگار کا تخلص نزہت ہے۔ کلام اکثر رسائل میں نظر آتا ہے۔ اور ریڈیو سے بھی نشر ہوتا ہے۔ آپ ترنم سے غزل پڑھتی ہیں۔ کلام میں سادگی و سلاست کیساتھ ساتھ درد و اثر ہے۔ کلام پر اصلاح اپنے شوہر دلکش آفریدی سے ہی لیتی ہیں۔

نمونہ کلام

پتھر کا شہر شیشے کا گھر دیکھتی ہوں میں
کاغذ کے پیرہن میں لبِ شر دیکھتی ہوں میں

پھر آسماں کی بھینٹ چڑھا ہے کوئی پرند
اُڑتے ہوئے ہواؤں میں پر دیکھتی ہوں میں

دیکھا ہے اُسکو جب سے یہ عالم ہے دید کا
اُس کو ہی دیکھتی ہوں جدھر دیکھتی ہوں میں

میری تباہیوں کا اُسے بھی ملال ہے
اُسکی بھی آنکھ اشکوں سے تر دیکھتی ہوں میں

شاید کہ اس کو آیا ہے نزہت مرا خیال
مہکا ہوا سا دل کا نگر دیکھتی ہوں میں

وقتِ رخصت [illegible] قدموں میں مچل جانے دو
[illegible]تمنا تو مرے دل کی نکل جانے دو
لب کُشائی کی اجازت جو نہیں ہے نہ سہی
میری پلکوں سے مرے اشک تو ڈھل جانے دو
عہد و پیماں تمہارے نہ بدلنے پائیں
ساری دنیا جو بدلتی ہے بدل جانے دو
اپنے گلشن کی خنک شام مبارک ہو تمہیں
مجھ کو صحرا کی کڑی دھوپ میں جل جانے دو
جگمگائے گا نئی صبح کا سورج نزہت
شب کی تاریکی کا فولاد پگھل جانے دو

ماخذ :۔ ماہنامہ "سلگتی لکیریں"، لکھنؤ۔
بشکریہ آل انڈیا ریڈیو رامپور۔

نزہت

رشید بالو نام، نزہت تخلص تھا۔ وطن نہٹور ضلع بجنور تھا۔ ،، محفلِ خواتین ،، سے آپ کے مندرجہ ذیل اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

تم نہ جاگے

ہوئی صبحِ صادق مگر تم نہ جاگے
رہے غافل و بے خبر تم نہ جاگے

اُٹھے مرغ و ماہی و حوش و بہائم
بشر ہو کے بھی وقت پر تم نہ جاگے

اٹھو خوابِ غفلت سے اے سونے والو
ہوئی وہ اذانِ سحر تم نہ جاگے

تمہارے جگانے کو دورِ فلک نے
کیا تم کو زیر و زبر تم نہ جاگے

جگا کر زمانے کو سوئے کچھ ایسے
اُٹھا شورِ محشر مگر تم نہ جاگے

صدائے حقیقت سے بیکِ قضا نے
جگایا تمہیں عمر بھر تم نہ جاگے

اُٹھے زلزلے انقلابِ جہاں کے
لرزنے لگے بحر و بر تم نہ جاگے

سحر ہو گئی سر پہ خورشید آیا
رہے نزہتؔ بے خبر تم نہ جاگے

ماخذ: ،، محفل خواتین ،، صفحہ ۲۲۴

نسرین

نسرین حامد نام، نسرین تخلص ہے۔ ۱۰/اکتوبر سنہ ۱۹۵۸ء کو نجیب آباد ضلع بجنور میں پیدا ہوئیں۔ والد ماجد کا اسم گرامی حامد نبی خاں تھا جو درگاہ حافظ صاحبؒ کٹگھر مرادآباد کے سجادہ نشیں تھے۔ گھریلو تعلیم کے بعد اسکول میں داخلہ لیا اور بی۔اے تک تعلیم حاصل کی۔ شوہر کا نام کنور اقتدار علی خاں ہے نسرین حامد ایک بیٹے کی ماں ہیں۔ سیاست میں بھی دلچسپی رکھتی ہیں۔ کئی بیرونی ممالک کا سفر کر چکی ہیں۔

شاعری کا شوق بچپن سے ہے۔ تقریباً سنہ ۱۹۷۰ء سے آپ کی تخلیقات مختلف رسائل میں شائع ہو رہی ہیں۔ جن میں ماہنامہ "بانو، بیسویں صدی، فلمی ستارے" وغیرہ اہم ہیں۔ مشاعروں میں بھی شرکت کرتی ہیں۔ پسندیدہ شاعروں میں غالبؔ، اقبالؔ، جوشؔ، مجروحؔ، فیضؔ وغیرہ ہیں۔

نمونۂ کلام

اک اک لمحہ ڈھونڈ رہی ہوں
جیون گزرا ڈھونڈ رہی ہوں

منظر منظر اس منظر کو
تنہا تنہا ڈھونڈ رہی ہوں

گلیوں گلیوں یاد بچھی ہے
قریہ قریہ ڈھونڈ رہی ہوں

وہ آنکھیں وہ جھیل سی آنکھیں
چہرہ چہرہ ڈھونڈ رہی ہوں

اِس کے لئے سب اچھا لکھ
اپنا گھر بوسیدہ لکھ
میرے نام کبھی اِک خط
مجھ سے ہی پوشیدہ لکھ
کچھ اشعار جوانی کے
کچھ غزلیں سنجیدہ لکھ

جانتی ہی نہیں کہ کیا کہوں میں
کیسی اُلجھن میں مبتلا ہوں میں
یوں ہر اِک سانس پر گماں گزرے
جیسے بُجھتا ہوا دیا ہوں میں
میرا جیون ہے چاندنی کی طرح
اپنے ماں باپ کی دُعا ہوں میں

نسیم

نسیمہ خاتون نام نسیمؔ تخلص تھا۔ بجنور ضلع کی بستی چاندپور وطن تھا۔ حالات دریافت نہ ہو سکے۔ نمونہ کلام فاروق محشر بدایونی کی کتاب "محفلِ خواتین" میں ملتا ہے۔

نمونہ کلام

آؤ اپنی عظمتِ رفتہ کو پھر پیدا کریں
ذرّے ذرّے کو ادائے ملک پر شیدا کریں

برق بن کر گر پڑیں خرمن پہ استبداد کے
پھونک کر سوزش کو پھر امن واماں پیدا کریں

خارزاروں کو بدل دیں صورتِ گلزار میں
تا کجا بیٹھے ہوئے دورِ خزاں دیکھا کریں

صورِ اسرافیل پھونکیں نعرۂ تکبیر سے
پھر سے اس دنیا میں اک عالم نیا پیدا کریں

پھر وطن کے چپہ چپہ کو بنا دیں لالہ زار
جس کو حورانِ جناں بھی رشک سے دیکھا کریں

پھر شگفتہ پھول بن کر نو جوانانِ وطن
صحنِ گلزارِ وطن میں ہر طرف مہکا کریں

ہم وطن کے باغ میں پھر بلبلیں بن کر نسیمؔ
اک نئے انداز سے ہر شاخ پر چہکا کریں

ماخذ:۔ "محفلِ خواتین" صفحہ ۱۱۱

نسیمہ

نسیمہ خاتون نسیمہ ہنہٹور ضلع بجنور کی رہنے والی تھیں۔ آپ نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم۔ اے بی ٹی کیا تھا۔ کلام رسائل وغیرہ میں شائع ہوتا تھا۔

نمونۂ کلام

"جنت یا دوزخ"

تخلیقِ خاکِ ہند جو کی کردگار نے
ذرّوں کو رشکِ نیّرِ تاباں بنا دیا

دَریا بنائے کوہ کے سینے کو چیر کر
جن سے زمین کو چمنستاں بنا دیا
نہروں کے پیچ و خم سے ہر اک مرغزار کو
گویا جوابِ گلشنِ رضواں بنا دیا

ہر برگِ گل کو صفت خلّاقِ دہر نے
آئینۂ جمالِ بہاراں بنا دیا
اس ملک میں جہان کی دولت بکھیر دی
مٹّی کو ہمسرِ زرافشاں بنا دیا

صد حیف یہ دیار کہ جنّت مثال تھا
بربادیوں نے اسکو بیاباں بنا دیا
فتویٰ ہے یہ خرد کا کہ آپس کی پھوٹ نے
اس باغِ بے نظیر کو ویراں بنا دیا

اغیار کو دلیر کیا اس نفاق نے
کانٹوں کو شاخِ گُل کا نگہباں بنا دیا
دوزخ ہے آج گلشنِ جنت نشانِ ہند
قسمت نے اُسکو شعلہ بداماں بنا دیا

دل کی نہ پوچھیے کہ غمِ روزگار نے
اتنا کیا ہے تنگ کہ زنداں بنا دیا
تیری یہ داستاں ہے نسیمہ کہ مرثیہ
تو نے تو ساری بزم کو نالاں بنا دیا

ماخذ :- "محفلِ خواتین"، صفحہ ۱۸۸

نظیر

نظیر جہاں نام، ابتدا میں نازؔ اور بعد میں نظیرؔ تخلص اختیار کیا۔ والد کا نام محسن علی خاں تھا۔ جو پولیس میں ملازم تھے۔ تخلص کے ساتھ اسی مناسبت سے "محسن" کا اضافہ کرتی ہیں۔ تعلیم کی ابتدا لکھنو کے لال باغ کالونٹ اور مسلم کرامت حسین گرلز کالج میں ہوئی۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے اور بی۔ ایڈ کیا۔ آزادی کے بعد پاکستان چلی گئیں۔ اور گورنمنٹ کالج میں اردو کی لیکچرار ہیں۔ نظیر کا وطن شاہجہاں پور ہے۔

نظیرؔ کے والد باذوق انسان تھے۔ علم و ادب کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ اسلامیات اور تاریخ کے مطالعہ کا شوق تھا۔ دادا بھی شعری ذوق رکھتے تھے اور مشاعرے منعقد کرتے تھے۔ اس ماحول نے شعر کہنے کا جذبہ پیدا کیا۔ اُن کی شاعری جذبات و احساسات کی ترجمان ہے۔ زبان سادہ و سلیس ہے

نمونہ کلام

فضائے لالہ و گل میں وہ تازگی نہ رہی
وہ کیا گئے کہ بہاروں میں دلکشی نہ رہی

قدم قدم پہ ہیں چھائے ہوئے اندھیرے سے
لہو کے دیپ جلاؤ کہ روشنی نہ رہی

مزاجِ عشق نے آدابِ حسن اپنائے
دیارِ عشق میں وہ رسم بندگی نہ رہی

مرے خلوص و وفا سے عبث شکایت ہے
نگاہِ ناز میں بھی شانِ دلبری نہ رہی

چمک اٹھا ہے تری یاد میں حریمِ خیال
شبِ فراق فضاؤں میں تیرگی نہ رہی
تری نگاہِ کرم زندگی سنوار گئی
جہانِ دل میں وہ پہلی سی برہمی نہ رہی
چلو کہ حلقۂ دار و رسن کی بات کریں
فسانۂ گل و بلبل میں دلکشی نہ رہی

میری غیرت کو محبت کی ترازو پہ نہ تول
امتحاں اس سے بڑا اور نہ ہوگا کوئی

مجھ کو معلوم کہ ہے تجھ کو بہاروں کی تلاش
میری دنیا میں مگر پھول نہیں کانٹے ہیں

نشاطِ زیست میسر نہیں تو کیا غم ہے
غمِ حیات ہی کافی ہے زندگی کے لئے
بہار لوٹ نے تبسم گلوں سے چھین لیا
چمن میں پھول ترستے ہیں اک ہنسی کیلئے

نشاطِ زیست میسر نہیں تو کیا شکوہ
مجھے حیات سے بڑھ کر حیات کا غم ہے
پھر آج گردشِ دوراں سے مات کھائی ہے
بساطِ دل ہی اُلٹ دو کہ حوصلہ کم ہے

ٹھہر نہ جائے کہیں نبض گردشِ دوراں
تری نگاہِ کرم کا کچھ اور عالم ہے
نہ شورِ نغمہ، نہ رقصِ سبو، نہ خندۂ گل
چمن میں آج نگارِ چمن کا ماتم ہے

ماخذ "شاعراتِ پاکستان"

نغمہ

طاہرہ پروین نام، نغمہ تخلص تھا۔ آپ چاندپور ضلع بجنور کی رہنے والی تھیں۔ اس سے زیادہ معلومات نہ مل سکی۔

نمونہ کلام

دل میں کسی کی یاد کے نشتر اُتر گئے
کتنے ستارے آنکھ سے ٹوٹے بکھر گئے
گزرے تھے ہم نشیں تری قربت میں جو کبھی
وہ دن مری حیات کے جانے کدھر گئے
تھیں منزلِ وفا میں بہت سختیاں مگر
ہم تیرا نام لے کے خوشی سے گزر گئے
یارب! شریکِ حال رہے چشمِ التفات
مانگا کیے دُعا یہی پچھلے پہر گئے
آجائیے کہ آپ کو ترسے ہے اب نگاہ
دیکھا نہیں ہے ہم نے بہت دن گزر گئے

کہتا تھا نامہ بر کہ۔ وہ آتے ہیں بس ابھی"
نغمہ چلو تو دیکھیں کہاں وہ ٹھہر گئے

ماخذ:۔ شمع دسمبر ۱۹۶۳ء

نکہت

نکہت، نسیم نام، اور نکہت، تخلص تھا۔ بدایوں وطن تھا۔ آپ کے والد خورشید حسین محکمۂ تعلیم میں سب ڈپٹی انسپکٹر تھے۔ تاریخ پیدائش ۱۲ فروری ۱۹۲۳ء ہے۔ ۱۹۴۰ء میں تقی انجم سے شادی ہوئی۔ تقی انجم بھی محکمۂ تعلیم سے وابستہ رہے۔

نکہت کے آبائی سلسلہ کے بزرگ اہل علم اور اہل ذوق تھے۔ آپ کے دادا مولوی شفقت اللہ عربی کے عالم تھے۔ نکہت کی اُردو فارسی کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی پھر اسکول میں داخل ہوئیں۔ اُردو میں اعلیٰ قابلیت کا امتحان پاس کیا اور بعد میں ہائی اسکول کیا۔

شاعری سے لگاؤ اوائل عمر سے تھا۔ شاعری کی جملہ اصناف میں طبع آزمائی کرتی تھیں۔ مگر غزل سے خاص لگاؤ تھا۔ غزل کا رنگ بہت شستہ اور نکھرا ہوا ہے۔ آپ نے "مشاعرہ انسواں" جو ۱۱ فروری ۱۹۴۵ء کو ہوا تھا اس میں شرکت کی تھی۔

نمونہ کلام

غزل

وہ تجدید محبت کر رہے ہیں ۔۔۔ بڑے پُرلطف دھوکے کھا رہی ہوں
تبسم جن کی فطرت بن چکی تھی ۔۔۔ اُنہیں آنسو بہاتے پا رہی ہوں

جگر میں آگ ہونٹوں پر تبسّم
میں کچھ خوددار ہوتی جا رہی ہوں
شکستِ دل کی پرسش ہو رہی ہے
متاعِ دل بڑی کھوتی جا رہی ہوں
یہ گزرا ہے ادھر سے کون نکہت
میں خوشبو میں نہاتی جا رہی ہوں

نظم :-

یہ بے لطف بادل یہ پھیکے نظارے
یہ بے تاب موجیں یہ سونے کنارے
یہ فطرت کے کچھ سہمے سہمے اشارے
یہ افسردہ غنچے یہ مغموم تارے
یقیناً یہ سب جگمگائیں گے اک دن
وہ آئیں گے اک دن وہ آئیں گے اک دن
وہ ساقی ہو یا بادۂ ارغوانی
ہر اک چیز پر پھوٹ پڑے گی جوانی
یہ رات اب جو سونی ہے ہوگی سہانی
نظر آئے گی ہر طرف شادمانی
وہ پھولوں کی نکہت بڑھائیں گے اک دن
وہ آئیں گے اک دن وہ آئیں گے اک دن
نگاہوں میں مستی کا طوفان ہوگا
دلوں میں امنگوں کا ہیجان ہوگا
اشاروں میں ملنے کا سامان ہوگا
وفاؤں کا پھر عہد و پیمان ہوگا
محبّت کا پھر گیت گائیں گے اک دن
وہ آئیں گے اک دن وہ آئیں گے اک دن

میں تاخیرِ خط کی شکایت کروں گی
وہ سمجھائیں گے اور میں حجّت کروں گی
محبت بھری کچھ شرارت کروں گی
پھر ان کو مناؤں گی منت کروں گی

وہ پھر اُلٹے مجھ کو منائیں گے اک دن
وہ آئیں گے اک دن وہ آئیں گے اک دن

گلوں کی قبائیں بھی سلنے لگیں گی
یہ افسردہ کلیاں [illegible] کھلنے لگیں گی
خوشی سے یہ بلبل [illegible] بھی ہنسنے لگیں گی
یہ شاخیں بھی آپس [illegible] ملنے لگیں گی

گلے سے وہ مجھ [illegible] لگائیں گے اک دن
وہ آئیں گے اک دن وہ آئیں گے اک دن

ماخذ: "بہارِ سخن" (غیر مطبوعہ گلدستہ مشاعرہ نسواں)

یہ مشاعرہ بریلی میں ۱۹۰۵ء میں منعقد ہوا تھا۔

نور

نور جہاں نام، نور تخلص تھا۔ آپ کا جنم [illegible] لواده (شہر بدایوں سے قریب واقع ہے) بستی میں ۱۹۰۵ء میں ہوا۔ آپ کے مورث سلطان محمود کے زمانے میں غزنی سے ہندوستان آئے تھے اور شاہی دربار میں سرفراز و ممتاز ہوئے۔ یہ لوگ صحیح النسل صدّیقی ہیں۔ سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔ یہ خاندان حضرت مخدوم صلاح الدین چشتیؒ سے مرید ہے

نورؔ کے والد چودھری اساس الدین کا شمار نواده کے زمینداروں میں ہوتا تھا جن کا انتقال نورؔ کی پیدائش کے چار سال بعد ہو گیا۔ انھوں نے نورؔ کے علاوہ ایک لڑکی اور ایک لڑکا یادگار چھوڑی۔ نورؔ کی بڑی بہن رسول جہاں مخفیؔ آپ سے دو سال بڑی تھیں۔ بھائی والد کی وفات کے وقت چار ماہ کا تھا۔ جس کا انتقال کم سنی میں ہی ہو گیا۔ نورؔ کی شادی آپ کے خالہ زاد ڈاکٹر امیر حسن صدیقی سے ہوئی۔ جنھوں نے شادی کے بعد انگلستان سے اسلامی تاریخ میں پی۔ ایچ۔ ڈی کیا۔ ڈاکٹر امیر حسن پاکستان بننے کے بعد کراچی یونیورسٹی میں شعبہ اسلامک ہسٹری کے صدر مقرر ہوئے اور انجمن الفلاح کی بنیاد ڈالی۔ نورؔ کی ازدواجی زندگی کبھی بھی اطمنان بخش نہیں رہی۔ اُن کے شوہر نے ۱۹۴۲ء میں دوسری شادی کرلی۔

نورؔ اپنے زمانے کی قادرالکلام شاعرہ تھیں۔ آپ شاعری کی بیشتر اصناف، غزل، نظم، نعت، منقبت، مرثیہ وغیرہ میں طبع آزمائی کرتی تھیں مگر آپ کی مقبولیت نظموں کی وجہ سے ہے۔ آپ کی تمام زندگی دکھوں اور مسائل کا سامنا کرتے ہوئے گزری جس کی نمائندگی آپ کا کلام کرتا ہے اس کے علاوہ کلام میں مذہب اسلام اور مسلمانوں سے محبت کا جذبہ واضح طور پر نظر آتا ہے۔ اس رنگ میں وہ ڈاکٹر اقبال سے متاثر نظر آتی ہیں۔ آپ کا ایک شعری مجموعہ ("خونابۂ دل"، (۱۹۴۵ء) شائع ہو چکا ہے۔ جس پر اس وقت کے مقتدر اہلِ قلم کی آراء ہیں۔ چند اقتباس ملاحظہ کریں۔

جوش ملیح آبادی

"نورؔ جہاں" بیگم کے کلام میں جذبات کی ترجمانی اور سوز و گداز کی فراوانی اتنی مقدار میں پائی جاتی ہے کہ اُن کے دھڑکتے دل

اور برستی ہوئی آنکھوں کا پرتو ان کے کلام پر اس طرح پڑتا ہے کہ بغیر چشمِ نم پڑھنا مشکل ہے۔"

حامد حسن قادری

"اس زمانے میں خواتین کی اعلیٰ تعلیم نے بے شمار شاعرات پیدا کر دی ہیں۔ جن میں بعض واقعتاً شاعر کہلانے کی مستحق ہیں۔ اُن میں ایک نورجہاں بیگم نوؔر بھی ہیں۔ تخیّل کی رفعت، زبان کی خوبی، بندش کی استواری، قافیہ کی نشست کسی نظم کی ظاہری خوبیاں ہیں اور بلاشبہ بجائے خود ضروری ہیں یہ سب محاسن نورجہاں صاحبہ کے کلام میں روشن ہیں۔"

نوؔر کی وفات ۱۹۸۰ء میں ہوئی۔

نمونہ کلام

اشعارِ غزلیات

پھر کھچ گئی اچانک ہمدم کمانِ تقدیر
برسے دلِ حزیں پر جور و ستم کے پھر تیر

غیروں سے جب ملے ہم اپنا بنا کے چھوڑا
اور کر سکے نہ اسکو کرنا تھا جس کو تسخیر

کیوں سُرخ ہو رہی ہیں پھر تیلیاں قفس کی
اے اشکِ خوں نیا گل شاید کھلائے تقدیر

آیا جو در پہ مجرم رحمت نے اس کو بخشا
کیا قابلِ تلافی تھی نوؔر کی نہ تقصیر

جس میں مرضی ہو تری اپنی رضا بھی ہے وہی
خود پرستی ہو، محبّت کا یہ دستور نہیں
چارہ گر بہرِ خدا چھوڑ دے فکرِ درماں
بھر سکے وقت کا مرہم یہ وہ ناسور نہیں
قہر سے تیرے زیادہ ہے عنایت تیری
بخش دے نوؔر کو رحمت سے یہ کچھ دور نہیں

نظم "ماں کی تُربت" سے

بہرِ تسلیم تری نور نظر آئی ہے
نذر کو چشمِ عقیدت کی گہر لائی ہے
قبر سے اُٹھ اُسے سینے سے لگا لے اُمّی
نوؔر فریاد کو تربت پہ تری آئی ہے
پھر گئیں مجھ سے زمانے کی ہوائیں اُمّی
میری رسوائی ہے اور خلق تماشائی ہے
کیا رکھے خلق سے اُمید وفا کی کوئی
نہیں دنیا میں بُرے وقت کا ساتھی کوئی

ناز تھا جن کی وفاؤں پہ تجھے دُنیا میں
آج رکھتے نہیں وہ اپنی جفاؤں کا جواب
وقف تھے ہاتھ ترے جن کی دُعاؤں کیلئے
اُن کے ہاتھوں سے پھٹی تیرے فسانے کی کتاب
تیرے گہوارۂ اُلفت میں پلا تھا جو کبھی
کر گیا لختِ جگر کا تری وہ خانہ خراب

کھوٹے داموں کے عوض بیچ دے عظمت تیری
تو نہ سے ہوگا نہ اے مادرِ تقدیس نا ب
کنج عزلت میں مری بے سروسامانی دیکھ
اپنی اس انجمنِ شوق کی ویرانی دیکھ

قدرت کا پیغام خورشید رسالت کے نام

جب ختم نبوت کے ستاروں کا ہوا کام
خورشید رسالت کو دیا حق نے یہ پیغام
آدم کے سفینے پہ ہے ابلیس کا قبضہ
کیا دور کہ بیڑے کو ڈبو دے یہ بدانجام
پوشیدہ تنِ کعبہ میں اب روحِ بتاں ہے
یزداں کی جگہ جلوہ کناں پیکرِ اصنام
بالکل ہی مجھے بھول گئی فطرتِ انساں
اب اور ہی کچھ ہو گئے ان کے سحر و شام
تنویرِ نظر بن کے ہر اک دل میں سما جا
چمکا مری دنیا کے سب ایوانِ در و بام
آفاق سے ظلمات کے لشکر کو بھگا کر
عشاقِ جہاں کی شبِ ہجراں کو سحر کر

انجم نے سرِ چرخ سے مژدہ یہ سنایا
خورشیدِ رسالت افقِ دہر پہ آیا
خالق نے اسے رخصتِ تنویر عطا کی
وہ مہرِ مبیں برجِ شرف سے نکل آیا

آئینۂ ایام میں چمکا مہِ قدرت
توحید نے زنگِ رُخِ تثلیث اُڑایا
تاباں ہوا وہ نورِ الٰہی جو زمیں پر
کہنے لگی ہے چرخ سے افضل میرا پایا
آمد جو ہوئی مرکبِ محبوبِ خُدا کی
اک دھوم مچی صلِ علیٰ صلِ علیٰ کی

"شبِ عاشورہ"

پڑی ٹھنڈی جو خورشیدِ فلک کی گرم بازاری
عطا پھر رات کو حق نے کیا تاجِ جہانداری
یہ وہ شب تھی کہ بیتی ربیت پر تھا حق کا دلدادہ
سحر کو جس کی رن میں لٹ گیا یثرب کا شہزادہ
یہ وہ شب تھی الم سے جس کے چرخِ پیر مضطر تھا
پیاسا تین دن کا نائبِ ساقیٔ کوثر تھا
خزاں کی تھی چڑھائی اور باغِ شاہِ طیبہ تھا
ہواؤں کے تھے جھونکے اور چراغِ طاقِ کعبہ تھا
علیؑ کا چاند تھا اور گرد رنج و غم کا ہالا تھا
سحر کو ہاشمی خورشیدِ انور کہنے والا تھا
منازل کر گیا جب ضبط کے طے صبرِ انسانی
ہوئے اوجھل نگاہوں سے حجابِ عالمِ فانی
خزاں کی گود میں جلوے نظر آئے بہاروں کے
زمینِ کربلا پہ سر جھکے تھے چاند تاروں کے

ہوئی رخصت شبِ عاشورہ کہتی بزمِ ہستی سے
پڑے گا کام اک دن پھر مجھے دنیا کی بستی سے

تھے آثارِ سحر لیکن ابھی غالب اندھیرا تھا
افق کو چار سُو سے فوجِ تاریکی نے گھیرا تھا

ہوئی کافور ظلمت روشنی پھیلی جہاں بھر میں
گریباں صبح نے پھاڑا غمِ آلِ پیمبر میں

پرندے آشیانوں میں جھکائے سر پڑے تھے سب
چراگاہوں سے چوپائے منہ پھیرے کھڑے تھے سب

گیا خیمہ میں رخصت کو پسر شیرِ الٰہی کا
کہ تا ہمشیر کر لے آخری دیدار بھائی کا

وہ عالم آپ کا اس وقت خیمے میں نظر آیا
کہ جس کو دیکھ کر قلبِ شہِ مظلوم بھر آیا

ہر اک کی صورتِ پُرنور تھی تفسیر حسرت کی
کوئی غم کا مرقع تھا کوئی تصویر حسرت کی

خیالِ مرگ سے عزمِ مجاہد رُک نہیں سکتا
سرِ ایماں کبھی باطل کے آگے جھک نہیں سکتا

مُسلم سے خطاب

آہ مسلم ہے یہ تیرے خوابِ غفلت کا اثر
قوم پر تیری جو چھایا ہے فلاکت کا اثر

تیرے سر پر فخر کرتا تھا جہانبانی کا تاج
تیرے بیت المال میں تھا ہفت کشور کا خراج

بدر کے میدان کے کار نمایاں یاد کر
تنگ دستی تنگ دامانی کے ساماں یاد کر
گھر اتا تیرے ڈرسے تھا کبھی چرخِ کہن
کفر کے ماہِ سحر کو لگ گیا تجھ سے گہن
تھیں وہ تلواریں تمہیں صحرا نشینوں کی کبھی
چاٹتی تھیں جو لہو شاہی جبینوں کا کبھی
چھوڑ بیٹھا آہ مسلم تو اصولِ زندگی
مغربی تقلید نے کھودی تیری تابندگی
جب اٹھاتا تھا دعا کے واسطے تو اپنے ہاتھ
آیۂ لا تقنطوا تسکین کو ہوتی تھی ساتھ
زندگی تیری نہ ہو کیوں نذرِ طوفانِ الم
جادۂ دینِ محمدؐ پہ نہیں تیرا قدم
لوٹ آ پھر وہ گزشتہ شان و شوکت چاہیئے
دردِ ملت چاہیے پاسِ شریعت چاہیئے

اسلام

آہ اے اسلام تھا تو رو کشِ مہرِ مُبیں
تیری تابانی سے روشن تھی زمانے کی جبیں
آتشِ نمرود مسلم کے لئے گلزار تھی
اس کے دل میں بھی تھا ابراہیمؑ کا نورِ یقیں
فتح و نُصرت تھی جلوس کامیابی ہم رکاب
سینۂ باطل تھا ہیبت سے تری اندوہگیں

تیرے درویشوں کے سر پر تاج ہفت اقلیم تھا
اُن کے تھی زیرِ نگیں یہ وسعتِ روئے زمیں

چھوڑ کر تجھکو ہوئے ہم ننگِ دیں ننگِ وطن
ذلّتیں سب کو ہماری درسِ عبرت ہوگئیں

جل رہی ہے شمعِ محفل بھی اسی انداز سے
آہ پروانوں میں لیکن ذوقِ خودسوزی نہیں

بادۂ توحید سے سرشار پھر کر دے انہیں
تشنہ کاموں کو عطا کر پھر وہ جامِ احمریں

ماخذ :- خونابۂ دل ، شاعراتِ اردو ۔ تذکرہ شعرائے بدایوں

نورؔ

نورالصباح بیگم نام اور نورؔ تخلص تھا ۔ والد ماجد کا اسم گرامی تجمّل شاہ خاں ، عرفیت نواب دولہا خاں تھی ۔ نورؔ ۱۹۰۸ء میں رامپور میں پیدا ہوئیں ۔ ابتدائی تعلیم زمانے کے رواج کے مطابق گھر پر ہوئی ۔ جہاں ۱۹۲۰ء تک انہوں نے مصباح الدین سے درس لیا ۔ ۱۴ سال کی عمر میں خان بہادر ظہیرالدین خاں والئ شیر پور ضلع پیلی بھیت سے شادی ہوئی ۔ شیر پور تحصیل پورن پور کا ایک قصبہ ہے ۔ جو اس وقت ایک چھوٹی سی ریاست تھی ۔ نورؔ کے شوہر کی تعلیم بھی واجبی تھی اس سلسلے میں ایک واقعہ اس طرح ہے کہ ایک بار دلی دربار میں شرکت کا دعوت نامہ انگریز حکومت کی جانب سے موصول ہوا ۔ جب آپ کے سکریٹری نے دربار میں شرکت کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا

کہ جب ہم اُن کا دعوت نامہ پڑھ نہیں سکتے تو اُن کی محفل میں شرکت کا کیا حق ہے۔ اسی وقت سے ان کے شوہر اور وہ تحصیلِ علم کی طرف راغب ہو گئے۔ دولت خانہ پر ایک خوبصورت لائبریری بھی قائم کی۔ ۱۹۳۴ء میں شوہر کا انتقال ہوا۔ اُن کے شوہر چونکہ تحریکِ خلافت سے وابستہ تھے۔ اس لئے نورؔ صاحبہ کا سیاسی جذبہ جو اُن کو بی اماں اور علی برادران سے ملا تھا شیرپور میں چلا گیا۔ بیوہ ہونے کے بعد جاگیر اور خاندانی معاملات آپ خود سنبھالتی تھیں۔ اس تجربہ نے آپ کو اور بھی باہمت اور مستقل مزاج بنا دیا تھا۔ ۱۹۴۵ء میں آپ مسلم لیگ خواتین کی مرکزی پہلی سکریٹری منتخب ہوئیں۔ اس طرح ملک و قوم کی خدمت کرتی رہیں۔ انہوں نے یورپ کا سفر بھی کیا۔ اور ایک سفرنامہ بھی لکھا۔ آپ کی تحریروں میں اصلاحی انداز اور مشرقیت غالب ہے۔

نورؔ صاحبہ اپنے ذوقِ شعری کے بارے میں اپنے شعری مجموعہ "صبحِ غزل" میں "معذرت" کے عنوان سے رقمطراز ہیں۔

"ابتدا لو عمری میں ہم دو تین سہیلیاں ایک دوسرے کے لئے شاعری کرتے تھے۔ ایک بار اپنی بہن کی شادی کے موقع پر سہاگ کے نو دس شعر لکھے۔ یہ میری پہلی کوشش منظرِ عام پر اس طرح آئی کہ وہ اشعار رامپور کی مشہور مراثنوں کو دیئے جنھوں نے ساز پر انہیں گایا۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میں شاعرہ ہوں اور خوشی بھی بے انتہا درجہ کی ہوئی۔"

اس کے بعد نعت و غزل وغیرہ میں طبع آزمائی کرنے لگیں۔ منور شاہجہانپوری سے اصلاح لیتی تھیں۔ کلام میں ہجر و فراق کی حکایتیں اچھوتے انداز میں ہیں

نورؔ صاحبہ کی اولاد میں ایک صاحبزادے ثمین خاں ہیں جو پاکستان میں مقیم ہیں وہ ایک اچھے وکیل ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی سماجی کارکن اور ادیب بھی ہیں۔ نورؔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان ہجرت کر گئی تھیں۔

انہوں نے نثر کی گیارہ کتابیں یادگار چھوڑیں جن میں ناول بھی ہیں کچھ کتابوں کے نام اس طرح ہیں۔ گریزاں، چراغ یادوں کے، قصرِ احمر، نورنگ، نورِ مشرق، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، گردشِ دوراں، تحریکِ پاکستان، پاکستان کی اہم شخصیات وغیرہ ہندوپاک کی اس مشہور سیاسی، سماجی اور ادبی شخصیت کی وفات ۱۵ر جولائی ۱۹۷۸ء کو ہوئی۔

نمونہ کلام

(نعتیہ اشعار)

اے کہ ترا وجود ہے سرِّ جمالِ کائنات
تیرے ہی نور کی جھلک روح میں جلوۂ ثبات

تیری عطا سے آج ہم دین میں ہوشمند ہیں
تیرے کرم سے آج ہم خاک پہ سربلند ہیں

آپ ہیں فخرِ انبیاء آپ ہیں ختمِ مرسلیں
میری امید بھی ہیں آپ آپ ہی رہنمائے دیں

حکمِ خدا ہو گر مجھے پہنچوں میں سر کے بل وہاں
میری جبیں بھی ہو وہیں جھکتے ہیں مہر و مہ جہاں

تجھ پہ درود اور سلام گنبدِ سبز کے مکیں
تجھ پہ درود اور سلام نورؔ کے دل کے اے مکیں

اشعارِ غزل

قیامت ہے کہ یوں اہلِ سخن کی آزمائش ہے
زباں بندی میں پھر دار و رسن کی آزمائش ہے
کہاں ہم اور کہاں وہ جشنِ عالم سوز اے زاہد
یہاں تو آج پوری انجمن کی آزمائش ہے
یہ تاریکی، یہ سناٹا یہ غم انگیز خاموشی
انہیں نغموں میں اب چرخِ کہن کی آزمائش ہے

اب اپنے چمن سے کیا رغبت اس پھول سے ہمکو کیا نسبت
ہم ایک شکستہ حصہ ہیں کچھ ٹوٹے ہوئے گلدانوں کا
یہ سچ ہے کہ ہم کچھ دیوانے اس شہر سے ان کے گزرے تھے
کب ہوش رہا فریادوں کا کب دھیان رہا ارمانوں کا

شکر ہے آج پیغامِ یار آ گیا
دل کی دنیا کو جیسے قرار آ گیا
اسقدر ان کی یادوں میں کھوئی تھی میں
خود کو دیکھا تو خود پر بھی پیار آ گیا

برسات کی رت یاد نہ گھنگھور گھٹا یاد
اب اپنا جنوں یاد نہ کچھ ان کی جفا یاد
اے ماضیٔ پرکیف ترے دور میں ہمکو
کچھ تھا بھی اگر یاد تو تھا ان کا پتا یاد

دل بھی صبحِ آرزو ہے روح بھی پُرکیف ہے
روشنی سی بڑھ گئی ہے اُن کے آجانے کے بعد

جلوہ ہائے نو بہ نو تازہ بہ تازہ نکہتیں
کس قدر رنگینیاں ہیں پھر بھی گھبراتا ہے دل
لٹ رہی ہیں محفلِ ہستی کی ساری رونقیں
ڈوبتے ہیں ماہ و انجم اور بُجھا جاتا ہے دل

آؤ پھر اک بے وفا کے پیار کی باتیں کریں
بے سبب روٹھے ہوئے دلدار کی باتیں کریں
پھر جنوں بڑھ جائے پھر جیب و گریباں چاک ہو
موسمِ گل ابرِ گوہر بار کی باتیں کریں
کس قدر معصوم نظریں کس قدر بے تاب دل
کس زباں سے نورؔ ہم اس پیار کی باتیں کریں

قُربت سے بے قرار ہوئی جا رہی ہوں میں
خود اُن پہ آشکار ہوئی جا رہی ہوں میں
وہ دے رہے ہیں مجھ کو پیامِ بہارِ نو
یہ سُن کے خود بہار ہوئی جا رہی ہوں میں

شب کے ان خوشگوار لمحوں میں
اپنے ہی دکھ کی اِک پکار ہوں میں

مرے ہم وطن اسے بھی مری کج روی سمجھ لیں
مری زندگی میں ہر دم ہے نوائے عاشقانہ
جہاں شمع جھلملائی یہ سمجھ لیا وہ آئے
یہ مزاجِ ناصحانہ یہ ادائے کافرانہ

کیا پوچھتے ہو بزمِ تصوّر کی رونقیں
فردوس بن گیا ہے بیاباں کبھی کبھی
گزرے ہیں ایسے دور بھی دنیائے جوش پر
ہونا پڑا جبتوں کو نگہباں کبھی کبھی
آئے ہیں سامنے تو یہ کہتا ہے رنگِ رُخ
جیسے ہوئے ہیں وہ بھی پشیماں کبھی کبھی
اُن کے رُخ و جبیں کے تصوّر میں کھو کے نور
ہم بھی ہوئے ہیں دل میں پشیماں کبھی کبھی

قصّۂ دورِ خزاں ہو یا حکایاتِ بہار
ہے زمانے بھر کی ہر شے بے اثر میرے لئے
وہ پشیماں ہو کے کہنا اُن کا اب تک یاد ہے
وقف ہے تو نور اب تو تا سحر میرے لئے

شہ بینوا کہہ کے ہنستی ہے دُنیا عجب عشق کا مرتبہ ہو گیا ہے

اے نور خود فریبیٔ عالم کو دیکھ کر اب جا کے ہم یہ سمجھے کہ نادان ہی رہے

ماخذ:۔ بشکریہ جناب نشاط بہلی جھنی

نورؔ

نورالسراج زنجانی یکم جولائی ۱۹۳۳ء کو دھام پور کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ والد کا اسم گرامی مولوی ظہور الحسن تھا۔ گھریلو تعلیم کے بعد بی۔ اے اور بی ایڈ کیا۔ اس کے علاوہ جامعہ اردو سے ادیب کامل اور ہندی میں پربھاکر کے امتحانات بھی پاس کئے۔ آجکل گورنمنٹ اسکول میں ہیڈ معلمہ ہیں۔ آپ کی شادی صفدر حسین صفدرؔ دھام پوری سے ہوئی[1]

گھریلو ادبی ماحول میں آپ کی پرورش ہوئی۔ والد کے علاوہ آپ کے بھائی بھی شاعری کا بہت پاک ذوق رکھتے ہیں۔ شادی کے بعد سسرال کا ماحول بھی شاعرانہ ملا۔ ابتدائی مشورے اپنے بڑے بھائی مختار الزنجانی سے لئے۔ آپ شاعری اپنے ذوق کی تسکین کے لئے کرتی ہیں اس لئے مشاعروں میں شرکت اور کلام کی اشاعت کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ایک نظم اور حالات انہوں نے مجھے ارسال فرمائے تھے۔

نمونہ کلام

چاند کی شہزادیاں

چاند کے غاروں میں ہیں کچھ مرمریں آبادیاں
اس جگہ رہتی ہیں شاید سیم تن شہزادیاں
سنسناتے جنگلوں میں رات کے آغوش میں
خواب راحت کے مزے لیتی ہیں جب بے خوابیاں

---

[1] صفدر صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری جانب سے محترمہ سے درخواست کی

ننھی ننھی سیمگوں پریاں نظر آتی ہیں کچھ
اِن میں آکر کھیلتی ہیں رات بھر شہزادیاں
نرم رو موجوں میں جیسے رقص کرتا ہے کنول
یا کہیں پر تیرتی ہیں جھیل میں مُرغابیاں
نقرئی جھرنوں پہ راتوں کو اُتر آتی ہیں وہ
خوابِ راحت کے مزے لیتی ہیں جب بے خوابیاں
اسطرح سے رات بھر رہتی ہیں وہ محوِ خرام
جس طرح سے چھوٹتی ہیں رود بر مہتابیاں
خواب کے سوتوں میں بہہ جاتی ہوں میں ہنستی ہوئی
جب اُترتی ہیں زمیں پر چاند کی شہزادیاں

نہاں

نہاں محبوب مرادآبادر کی قابلِ ذکر شاعرہ تھیں۔ آپ ذکیہ سلطانہ نیرؔ کی سگی بہن تھیں۔ حالات باوجود کوشش کے دستیاب نہ ہوسکے۔ البتہ اُن کی شاعری سے متعلق شعیب راہیؔ کا ایک مضمونؔ[1] نہاں محبوب کی غزل گوئی نظر سے گزرا۔

شعیب راہیؔ کے مطابق۔

"نہاںؔ کو ذوقِ شاعری وراثت میں ملا ہے۔ لیکن انہوں نے اپنے شعور اور ذہانت کی روشنی میں جس بلندی اور فنکارانہ رفعت کی منزلوں تک پہنچایا ہے۔ وہ ان کی

---

[1] یہ مضمون ماہنامہ کوئل کے ستمبر ۱۹۶۱ء کے شمارہ میں شائع ہوا تھا۔

نظری وسعت، فکر کی گہرائی اور وجدانی پھیلاؤ کا نتیجہ ہے۔
نہاں کی غزلوں میں جہاں تک موضوعات کا معاملہ ہے اس میں تنوع کے ساتھ ساتھ ایک ارتقائی کیفیت ملتی ہے۔ اُن کے یہاں عاشقانہ مضامین بھی ہیں۔ اور حیات وکائنات کے مسائل بھی۔ عشق کا تعلق دل کی دنیا سے بھی ہے۔ اور زندگی کے نشیب وفراز سے بھی۔ اُن کی عشقیہ غزلوں میں غم کی جو کیفیت ملتی ہے وہ صرف دل کا غم نہیں ہجر کی تلخیاں زندگی سے ہم آہنگ ہیں۔ یہ غم محض تخیلی اور تصوراتی غم نہیں ہے۔ اس میں تجربہ کی وسعت کے ساتھ ساتھ فکر کی گہرائی اور احساس کی شدّت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔"
نہاں کا کلام یہ واضح کر دیتا ہے کہ وہ ایک باشعور شاعرہ تھیں۔ اُن کے خیالات میں وسعت اور نظر میں باریک بینی پائی جاتی ہے۔

نمونہ کلام

گلوں سے عشق نہیں ہے چمن سے پیار نہیں
وہ عندلیب ہوں جس کے لئے بہار نہیں

ہزار حیف چمن میں کب آئی فصلِ بہار
جب اپنے جیب وگریباں میں ایک تار نہیں

وہ مئے پلا کہ فنا کو بھی ہوش آجائے
خمارِ بادۂ ہستی کا اعتبار نہیں

میرے جگر میں ہے سارے جہاں کا درد نہاں
زبانِ چشم سے لیکن کچھ آشکار نہیں

ایک شمعِ آرزو گل کر کے یہ کیا کر دیا
ہر چراغِ زندگی بجھتا ہوا رکھتی ہوں میں
اُن کے ہر انداز میں پہلو جفا کا ہے نہاں
اپنے ہر پہلو میں اندازِ وفا رکھتی ہوں میں

ہم نے جب توڑ دی کمندِ حیات　　زلف کا جال کوئی جال نہیں
پردۂ ہجر میں ہے وصل نہاں　　اس لئے زندگی وبال نہیں

ہنسنے کو ہنس لئے تو کیا جینے کو جی لئے تو کیا
تلخیٔ روزگار سے دل تو مگر جیا نہیں

دل کے دیئے نہ جل سکے جشنِ بہار ہے تو کیا
تیرے بغیر چھا گئی آج خزاں بہار میں

ہم سے ہو گیا شکوہ ہم تو بے وفا ٹھہرے
وہ ستم جو کرتے ہیں وہ ستم نہیں ہوتا
التفات کا اُن کے احترام ہے لیکن
جس کرم کے خوگر تھے وہ کرم نہیں ہوتا
بے شعور چلئے تو پیچ و خم بھی ہیں ورنہ
زندگی کی راہوں میں پیچ و خم نہیں ہوتا

زخمِ دل کا شمار کون کرے　　آپ کو شرمسار کون کرے
دل خزاں ہی میں خون کر ڈالا　　انتظارِ بہار کون کرے

مجھ سے مرا مزاج بھی پوچھا نہ کیجئے
سازِ غمِ حیات کو چھیڑا نہ کیجئے
پھڑ رہی ہیں دھڑکنیں دل کی کبھی کبھی
کیسے کہوں کہ یاد بھی آیا نہ کیجئے

ہیں ابتدائے عشق سے تا انتہائے عشق
ہر ہر قدم پہ سیکڑوں ارماں نئے نئے
پھر آ گئے ہیں ظلم کے پیکر بنے ہوئے
جمہوریت کے روپ میں سلطاں نئے نئے

ابھی وہ تبسّم، ابھی وہ تکلّم | ابھی برق پاشی ابھی گلفشانی
یہ شیریں تبسم یہ مدہوش نظریں | انہیں میں ہے کوئی مری زندگانی

شرطِ ادابِ محبّت ضبط ہے | دل یہ کہتا ہے مچل ہی چاہیئے

ذکیہ سلطانہ نیّر کا تعلق مرادآباد کے علمی وادبی گھرانے سے ہے۔ والد ماجد کا اسم گرامی خدا داد خاں تھا۔ گھر کے علمی وادبی ماحول نے ذکیہ سلطانہ نیّر میں ادبی ذوق پیدا کر دیا۔ آپ کی بہن نہاں محبوب بڑی قادر الکلام شاعرہ تھیں نیّر کو خوش قسمتی سے ساغر نظامی[1] جیسے شوہر بھی نصیب ہوئے جن کی قربت نے

---

[1] صمد یار خاں نام ساغر تخلص تھا۔ والد کا نام احمد یار خاں وارثی تھا۔ علی گڑھ وطن تھا۔ سیماب اکبرآبادی سے شرف تلمذ حاصل رہا۔ کافی کتابوں کے مصنف تھے۔ ایک رسالہ پیمانہ بھی جاری کیا تھا۔ اردو کے معروف شعراء کی صف سے تعلق تھا۔ ۲۷ر فروری ۱۹۸۳ء کو وفات پائی۔ (چند یادگار مشاعرے)

آپ کی ادبی صلاحیتوں کو مزید جلا ملی۔ نظم و نثر میں یکساں طبع آزمائی کرتی ہیں۔ کلام و مضامین رسائل میں بھی شائع ہوتے رہتے ہیں۔ کلام میں فنکارانہ مہارت کے ساتھ ساتھ گہرائی و گیرائی ہے۔

نمونہ کلام

عشق نہیں جو زیست کو دولتِ آگہی نہ دے
مہر نہیں جو خاک کو خلعتِ روشنی نہ دے
بادہ نہیں وہ ساقیا، جو نئی سرخوشی نہ دے
عشرتِ زندگی نہ دے، نشۂ آگہی نہ دے
جامِ خودی دے ساقیا! ساغرِ بےخودی نہ دے
بادۂ ہوش دے مجھے دارُوئے بےہشی نہ دے
آمدِ نوبہار کی دعوتِ سرخوشی نہ دے
بادِ نسیم ہی وہ کیا، جو نئی تازگی نہ دے
دونوں جہاں کا بارِ غم کس سے اُٹھے گا اے خُدا
یا غمِ زندگی نہ دے یا غمِ عاشقی نہ دے
میں نے خدا سے پہلے دن رکھّی تھی شرطِ زندگی
یا مجھے زندگی ہی دے یا مجھے زندگی نہ دے
رہروِ راہِ زندگی، وقت سے تیز چال چل
راہبروں کو راہ میں فرصتِ رہزنی نہ دے
حرف ہے لغزشِ قلم، حرف ہے خطِ نارسا
حرف جو روشنی نہ دے، لفظ جو آگہی نہ دے

"نظم اردو"

دلِ خواص ہے روحِ عوام ہے اُردو
زباں نہیں ہے مکمل نظام ہے اُردو

ہر اک مقام ہے دارالخلافۂ اُردو
اور اس پہ لطف یہ ہے بے مقام ہے اُردو

کمالِ حسن و فصاحت جمالِ نطق و بیاں
یہ مقتدی ہیں اور ان کی امام ہے اُردو

غزل سرا ہے زمانہ حیات نغمہ کناں
وظیفۂ سحر و روز و شام ہے اُردو

ہمارے شمس و قمر اس سے نور پاتے ہیں
سحر کی جوت تجلّیِ شام ہے اُردو

ندیم چاند پہ بھی خاک پڑ سکی ہے کبھی
سپہرِ عصر پہ ماہِ تمام ہے اُردو

ہے تلخ کامیِ دشمن میں بھی اسی کا سرور
کوئی بتاؤ کہ کس جا حرام ہے اُردو

ماخذ:۔ (کلام) ایوانِ اردو (دہلی) اکتوبر [illegible] "آواز"

انجمؔ

ڈاکٹر انجمن آرا نام، انجمؔ تخلص ہے۔ گنّور ضلع بدایوں وطن ہے۔ والد کا اسم گرامی شریف الحسن[1] ہے۔ آپ کا تعلق علمی و ادبی گھرانے سے ہے۔ بڑے بھائی ڈاکٹر فرخ سیر کا شمار قابلِ ذکر ادیبوں میں ہوتا ہے۔ انجمؔ نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پروفیسر آل احمد سرور کی نگرانی میں پی۔ ایچ۔ ڈی کیلئے آغا حشر کاشمیری کی شخصیت اور ڈرامہ نگاری پر آپ کی ایک کتاب شائع ہو چکی ہے۔ شاعری میں رمزؔ آفاقی گنوری کی شاگردہ ہیں۔ اردو کے جرائد میں کلام اور نثری تخلیقات شائع ہوتی رہتی ہیں

نمونۂ کلام

اہلِ جنوں تو سستے چھوٹے　　عقل کے مارو خیر مناؤ

غیرت جنت ہوں گے شہر　　اپنا وطن پھر اپنا وطن ہے

ماضی کا تم ذکر نہ لاؤ　　مستقبل کے گیت سناؤ
سہل نہیں ہے زندہ رہنا　　تلخیٔ غم کو تم اپناؤ

---

[1] تذکرہ شعرائے بدایوں ج۲ میں شہید بدایونی نے انجمؔ کے والد کا نام شریف اللہ لکھا ہے جو درست نہیں۔

چھانٹ کر خار سب پھینک دو
اور پھولوں کو تم
رنگ دو
آب دو
زندگی بخش دو

ماخذ:۔ "جہانِ ادب"

بانوؔ

بانوؔ بجنور کی شاعرہ ہیں۔ آپ کی ایک غزل ہریانہ اُردو اکادمی کے سہ ماہی جریدے "جمنا تٹ"، کے اپریل ۱۹۸۷ء کے شمارہ میں شائع ہوئی تھی۔ باوجود کوشش کے حالات و کلام اور زیادہ دریافت نہ ہو سکے

نمونہ کلام

ساز کے ٹکڑے پڑے ہیں گیت بھی خاموش ہے
اب ہماری زندگی کی نغمگی خاموش ہے

ایک تنہا پیڑ کب سے تک رہا ہے چاند کو
گھر کے آنگن میں مہکتی چاندنی خاموش ہے

لُٹ گیے چاہت کے گہنے اُٹھ گئی رسمِ وفا
ایک مفلس کی طرح اب زندگی خاموش ہے

زندگی کے پاس اب کوئی لطیفہ بھی نہیں
ایک مدّت سے مری زندہ دلی خاموش ہے

اب کسی سے دل کی باتیں کوئی کہتا ہی نہیں
آج بالنو کی طرح ہر آدمی خاموش ہے

پروین

مسرور جہاں نام، پروین تخلص تھا۔ مراد آباد کی رہنے والی تھیں۔ آپ کی ایک نظم "ساون کی ہوائیں" پر اظہار خیال کرتے ہوئے فاروق مختار رقمطراز ہیں۔

"نظم کی بڑی خوبی یہی ہے کہ وہ روح کے پردوں میں ارتعاش پیدا کردے۔ اور دل و دماغ کو اسی ماحول میں پہنچا دے جس کی وہ تصویر کھینچتی ہو۔ ساون کا خوشگوار اور نہ بہت افزا منظر جس قدر شعریت و نغمگی میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ پروین صاحبہ کی یہ نظم اس کی صحیح ترجمان ہے۔"

نمونہ کلام (نظم)

یہ دامنِ گلزار کے رنگین نظارے
پھولوں کے اشارے
جگنو کے ستارے
یہ سرد ہوائیں یہ فسوں ریز اندھیرا
اڈتی ہوئی وہ دامنِ گردوں پہ گھٹائیں
پیغام طرب لائی ہیں وہ ساون کی گھٹائیں
بل کھاتی ہوئی جوئے غزلخواں کی روانی

کوثر کی نشانی
بہتا ہوا پانی
بہتے ہوئے پانی پہ مچلتی ہوئی کرنیں
رقصاں کسی آئینے پہ سورج کی ضیائیں

پیغامِ طرب لائی ہیں ساون کی ہوائیں

پروین نے ابھی تک تو محبت کو چھپایا
روٹھے کو منایا
وہ اب بھی نہ آیا
وہ جس کی محبت پہ کبھی ناز تھا اُس کو
ہیں آج مرے واسطے کیا کیا نہ جفائیں

پیغامِ طرب لائی ہیں ساون کی ہوائیں

ماخذ:- محفلِ خواتین ص ۱۱۱

تنویر

تنویر فاطمہ، محلہ قاضی ٹولہ بدایوں کی رہنے والی تھیں۔ والد کا نام محمد یٰسین تھا۔ آپ فراست اللہ قادری کی شریکِ حیات تھیں۔ سنہ ۱۹۵۰ء میں خاندان کے ہمراہ پاکستان چلی گئی تھیں۔ اور وہاں سے سنہ ۱۹۷۰ء میں لندن منتقل ہو گئیں۔ آپ کے بیٹے بیرسٹر اور ڈاکٹر ہیں۔ تنویر فاطمہ شوہر کے ہمراہ اکثر وطن کی محبت میں بدایوں آتی تھیں۔ اب دونوں کا انتقال ہو چکا ہے۔
آفتاب احمد جوہر سے اصلاح لیتی تھیں۔

نمونہ کلام

یوں چلے حسرت سے ہم اپنے وطن کو چھوڑ کر
جس طرح جائے کوئی بلبل چمن کو چھوڑ کر
قلب محزوں کو لبھائے کیا روانی تمہیں کی
آئی ہوں میں وادیٔ گنگ و جمن کو چھوڑ کر
ہے دعا یہ پھر وطن آئیں خوشی کے ساتھ ہم
اب تو اے تنویر جاتے ہیں وطن کو چھوڑ کر

ماخذ:۔ تذکرہ شعرائے بدایوں ع ا

چمن

شمیم اختر نام، چمن تخلص تھا سیوہارہ ضلع بجنور کی رہنے والی تھیں۔ آپ کے چند شعر ماہنامہ "بانو" دہلی کی اگست ۱۹۵۱ء کی اشاعت میں شائع ہوئے تھے۔

نمونہ کلام

"بزم تصور"

دو عالم کی فضا پر چھا رہے ہو
نظر ہر شے میں تم ہی آ رہے ہو
خدا معلوم دل کو کیا ہوا ہے
برابر یاد آئے جا رہے ہو
تصور میں چمن آ کر ہمارے
فسانہ عشق کا دہرا رہے ہو

سیما

سیما فریدی کا تعلق شیخوپور ضلع بدایوں کے مشہور خاندان سے ہے۔ آپ کے دادا وحید احمد مسعود صاحب طرز ادیب تھے۔ اور دادی صغریٰ بیگم صفیہ خوش فکر شاعرہ تھیں۔ سیما فریدی کے والد کا نام انیس احمد فریدی تھا۔ آپ نے ایم اے تک تعلیم حاصل کی ہے۔ کلام اخبارات و رسائل میں شائع ہوتا رہتا ہے

نمونہ کلام

بھلا وہ لذّت سوزِ فراق کیا جانے
نہ رات رو کے گزاری ہو جس نے ساون میں

کبھی تو آئے گی فصلِ بہار کی رُت بھی
اسی اُمید پہ ہم جی رہے ہیں گلشن میں

وہ میری حدِّ نظر سے تو دُور ہیں سیما
مگر سمائے ہوئے ہیں وہ دل کی دھڑکن میں

آنکھ کی جھیل میں یا دل کے کنول میں آؤ
خوشبوئے حسن ہو تم میری غزل میں آؤ

وہ تو خود شہرِ محبّت کا ہے اک تاج محل
کہہ رہا ہے جو مجھے تاج محل میں آؤ

حاصلِ عشق بھی تم عشق کی پہچان بھی تم
تم مری زیست میں آؤ یا اجل میں آؤ

خود ہی مٹ جائینگے قسمت کے اندھیرے سیما
تم جو سورج کی طرح راہِ عمل میں آؤ

نجومی ہے یا کوئی دیوتا ہے
وہ دل کے بھید سارے جانتا ہے

گُہر کو لاکھ مُٹھی میں چھپا لو
سمندر تو اُسے پہچانتا ہے

یہی ننھا سا معصوم سا دل
ستاروں پر کمندیں ڈالتا ہے

یقیناً لائقِ تحسیں ہے سیما
جو اپنی خامیوں کو جانتا ہے

شفق

شفیق بانو نام تھا، اور شفق تخلص کرتی تھیں۔ ضلع بجنور کے نجیب آباد قصبے کی رہنے والی تھیں۔ نظم و نثر میں یکساں طبع آزمائی کرتی تھیں۔ آپ کے نصیحت آمیز مضامین "کامیاب"؎ دہلی میں اکثر جگہ پاتے تھے۔ کلام "شاعر" جیسے موقر جریدے میں بھی شائع ہوتا تھا۔

نمونۂ کلام

مجھے اُن کے ستم سہنے کی عادت ہوتی جاتی ہے
جفائے حسن سے مانوس فطرت ہوتی جاتی ہے

نہ جانے کیوں مجھے وہ اس قدر یاد آتے رہتے ہیں
کہیں یہ تو نہیں اُن سے محبت ہوتی جاتی ہے

نہ غیروں کا کوئی شکوہ نہ اپنوں سے گلہ کوئی
مگر ہاں اپنی قسمت سے شکایت ہوتی جاتی ہے

تری آغوشِ تسکیں کی طلب ہے آرزوؤں کو
تمناؤں میں برپا اک قیامت ہوتی جاتی ہے

کبھی وہ دن بھی تھے پھولوں سے دامن اپنا بھرتی تھی
اور اب یہ حال ہے پھولوں سے وحشت ہوتی جاتی ہے

مری تنہائیوں میں کون شامل ہوتا جاتا ہے

؎ یہ ماہنامہ رسالہ دہلی سے عبدالسلام انصاری کی ادارت اور مولانا ظفر نیازی کی سرپرستی میں شائع ہوا تھا۔ اس کا اجراء ۱۹۳۱ء کے قریب ہوا تھا۔ راقم الحروف کے پاس اس کے ۱۹۴۲ء، ۱۹۴۳ء کے شمارے ہیں۔
ش۔ ذ

یہ کس ان دیکھی صورت سے محبت ہوتی جاتی ہے
نشیمن اور بھی تو گلستاں میں ہیں شفق لاکھوں
مجھی پر تنگ کیوں گلشن کی وسعت ہوتی جاتی ہے

ماخذ: ماہنامہ "شاعر" فروری، مارچ ۱۹۷۶ء

کمالی

محمد النساء بیگم نام، کمالی تخلص تھا۔ مراد آباد کی رہنے والی تھیں۔ فاروق محشر بدایونی نے آپ کی ایک نظم "محفلِ خواتین" میں شامل کی ہے۔

نمونۂ کلام

نظم "خاتونِ مشرق کا پیام فرزندانِ وطن کے نام"

اپنے ماضی کی روایاتِ کہن کی خاطر
اپنے اسلاف کی فرمودہ سخن کی خاطر
اپنے آئندہ نہالانِ چمن کی خاطر
بڑھ کے گردن سے کرو دار و رسن کی خاطر
آؤ آزادیٔ تقدیرِ وطن کی خاطر

جور کو ظلم کو دنیا سے مٹانے کے لئے
سکۂ انصاف کا ہر سمت چلانے کے لئے
اپنی دیرینہ مساوات دکھانے کے لیے
یعنی اپنی عربی شانِ سخن کی خاطر
آؤ آزادیٔ تقدیرِ وطن کی خاطر

نقشۂ غیرتِ اقوام بدلنے والو
زندگی کے سحر و شام بدلنے والو
اپنے آغاز سے انجام بدلنے والو

آج خطرے میں ہے خود اپنے چمن کی خاطر
آؤ آزادئ تقدیرِ وطن کی خاطر

نازؔ

خدیجہ خاتون نام، نازؔ تخلص تھا۔ بدایوں کی رہنے والی تھیں۔ "خاتونِ مشرق" میں کلام شائع ہوتا تھا۔

نمونۂ کلام

نظم "اللہ کا گھر دل ہے"

مسجد میں بھی ہو آئی مندر میں بھی ہو آئی
کہتا تھا یہی مُلّا مسجد ہے خدا کا گھر
مُلّا نے کہا رب کو اسلام پیارا ہے
کہتا تھا ہر اک اپنی اُلجھن میں طبیعت تھی
اے نازؔ مقامِ حق پانا کوئی مشکل ہے

ہیں وقت بہت اپنا بے کار ہی کھو آئی
پنڈت نے کہا مسکن اللہ کا ہے مندر
پنڈت نے کہا ہیں گھر بھگوان ہمارا ہے
اتنے میں کسی کی اک آواز سنائی دی
آ تجھ کو بتائیں ہم "اللہ کا گھر دل" ہے

ماخذ: "محفلِ خواتین"

عظمت

سیتھل بریلی کا مشہور قصبہ ہے۔ یہاں کی ادبی فضاؤں میں ایران اور

خاص طور پر صفوی دور کی مکمل چھاپ ملتی ہے۔ اختر خاتون عظمت سنبھل کی مشہور بستی کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ آپ ۱۹۲۷ء مطابق ۱۳۴۶ھ میں ملا نظائر الحسنین کے گھر پیدا ہوئیں۔ احمد اصغر قلم مرحوم نے تاریخ ولادت کہہ کر تاریخی نام اختر خاتون رکھا۔ ۱۹۴۷ء ۱۳۶۶ھ میں آپ کی شادی محبوب حیدر محبوب سنبھلی جانشینِ قلم مرحوم سے ہوئی۔

ادبی ذوق اوائل عمر سے ہے میکے اور بعد میں سسرال کا ماحول بھی ادبی ملا۔ دبستانِ قلم، سنبھل کی ادبی انجمن ہے جہاں ادبی محفلیں (مشاعرے وغیرہ) خوب آراستہ ہوتی ہیں۔ عظمت ان مشاعروں کے لئے طرحی غزلیں پابندی سے کہتی ہیں مگر مشاعروں میں شریک نہیں ہوتی ہیں۔ البتہ آپ کا کلام کسی دوسرے شاعر کی زبانی سنا جاتا ہے۔ آپ کے اشعار سادہ و سلیس ہوتے ہیں ان میں فکر کی گہرائی اور تخیلات کی بلندی جلوہ گر ہوتی ہے۔

نمونہ کلام

رہے ہیں بزم میں خاموش ہم منہ میں زباں رکھ کر
کہی ہے بات دل کی چند آنسو درمیاں رکھ کر

کبھی وہ کاش اپنا بھی گریباں جھانک کر دیکھیں
بچاتے ہیں جو دامن کو مرے سر تہمتیں رکھ کر

حقیقت میں جو خود ناواقفِ آدابِ الفت ہیں
وہ اکثر آزماتے ہیں ہمیں کچھ امتحاں رکھ کر

کہاں سے پوچھتے ہیں خود ہمیں انصاف سے کہہ دو
رہے خاموش کب تک آدمی منہ میں زباں رکھ کر

کیا ہے چہرۂ ظالم کو اکثر بے نقاب عظمت
جہاں کے سامنے ظلم و ستم کی داستاں رکھ کر

تم محبت کو آزماتے ہو امتحاں لے کے جی جلاتے ہو
کیوں چمن والوں کے نام پہ یارو آشیانہ مرا جلاتے ہو
شامِ غم کی سحر یہ کہتی ہے کون ہے کس کو تم بلاتے ہو

بہت افسردہ و غمناک ہے آہ و فغاں میری
جگر کو تھام لو پہلے سنو پھر داستاں میری
عجب کیا وقت سے پہلے ہی کوئی انقلاب آئے
گراں ہے اہلِ گلشن پر بہت خاموشیاں میری

یہ مانا سنگدل ہیں وہ مگر اپنا یہ دعویٰ ہے
پگھل جائیں گے مثلِ موم سن کر داستاں میری
وفا نے کر دیا مجبور یہ سچ ہے مگر عظمت
عجب کیا رنگ لائیں ایک دن خاموشیاں میری

ماخذ:۔ حالات و کلام بشکریہ ڈاکٹر عراق رضا زیدی آدمی سنبھلی

مقبول نکہت کا تعلق سرزمین بدایوں سے ہے۔ آپ محلہ فرشوری ٹولہ کی رہنے والی ہیں۔ والد کا اسمِ گرامی مولوی قاسم علی تھا۔ انجم فوقی بدایونی سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ ویسے ایک زمانے میں کئی اساتذہ انہیں اپنے

شاگردوں میں شمار کرتے تھے۔ کلام بدایوں سے شائع ہونے والے ہفت روزہ "تعمیر" میں شائع ہوتا تھا۔ آپ کے اشعار میں شعر کا حسن اور سادگی پائی جاتی ہے۔

نمونہ کلام

آگ بھڑکی کے آشیانے کی — پھر نہ بدلی ہوا زمانے کی
چھلک سکتی ہوں میں کلیوں کی ہنسی — شرم ہے تیرے مسکرانے کی
میں نے کر لی قبول امانتِ دل — رہ گئی آبرو زمانے کی
تیری تصویر کو جگہ دے کر — لاج رکھ لی غریب خانے کی

ذوقِ سجدہ دار ڈرا اے نکہت
کیا ضرورت ہے آستانے کی

یاسمین

غزالہ نام، یاسمین تخلص ہے۔ مراد آباد وطن ہے۔ کلام رسائل میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ کلام پیش ہیں

زندگی کے صحرا میں آشنا نہیں ہوتا — ہم خیال کیا ہونگے ہم نوا نہیں ہوتا
ہمسفر بھی طوفاں میں ساتھ چھوڑ دیتے ہیں — ڈوبتے سفینے کا ناخدا نہیں ہوتا
کب تلک بہاؤں گی یاسمیں اشکوں کو — آنسوؤں سے چاہت کا حق ادا نہیں ہوتا

نور

نور کا تعلق سہسوان ضلع بدایوں سے تھا حالات دستیاب نہ ہو سکے۔

اخذ: ہفت روزہ تعمیر ۱۴؍۲۴ نمبر ۷۵ تذکرہ شعرائے بدایوں

نمونۂ کلام

نہ کوئی آرزو ہے اور نہ امیدِ دلی اپنی
رضائے دوست پر اب منحصر ہے زندگی اپنی

نگاہِ مہر اُن کی پھر گئی جو میری جانب سے
وبالِ دوش ہی بن گئی ہے زندگی اپنی

رُلاتی ہے مجھے تنہائیوں میں بے بسی اکثر
دکھاتی ہے قیامت کے مناظر بے کسی اپنی

وصال و ہجر کی حد سے گزر کر دیکھ اے ناصح
مزہ دیتی ہے الفت میں عجب کچھ بیخودی اپنی

اگرچہ کر چکی ہوں خود کو مدت سے کنارہ کش
مگر شرکت ہے اُن کی بزم میں لازم ابھی اپنی

ہے حاسد مگر اس کی درخشانی پہ طعنہ زن
اگرچہ نور نے بخشی تھی اُن کو روشنی اپنی

ماخذ: محفل خواتین، صفحہ ۲۰۷

وصفی

کے۔ نور چشم نام، وصفی تخلص تھا۔ رامپور کی رہنے والی تھیں۔ کلام رسائل میں شائع ہوتا تھا۔ نظم "پھول کو دیکھ کر" سے نمونہ کلام پیش ہے۔

ہوئی روشن تیری قسمت جہاں میں اس کی قدرت سے
عطا کی حسن نے دلکش بو، سنوارا تجھ کو رنگت سے
ترے عارض کو شبنم سے نسیم مہرباں آ کر
دھلا جاتی ہے شفقت سے محبت سے عنایت سے
سحر ہوتے ہی لُٹ جاتی ہے بزمِ رنگ و بو تیری
گلستاں کا گلستاں دیکھتا ہے چشمِ حسرت سے
گُلوں کی پائمالی درس یہ دیتی ہے اے وصفی
بچھڑ جانا ہے اک دن سب کو دنیائے عشرت سے

ماخذ: محفل خواتین صفحہ ۱۵۸

نام کتاب	مصنف	نام کتاب	مصنف
شمیم سخن	عبدالحی صفا بدایونی	توحید مخفی	مخفی بریلوی
تذکرۃ الخواتین	عبدالباری آسی	آپ ہیں ۱	عرفان عباسی
تاریخ شاہجہانپور	محمد صبیح الدین خلیل	رموز مخفی	مخفی بریلوی
گلدستہ مشاعرہ بدایوں	۱۲۴۳ھ	آپ ہیں ۲	عرفان عباسی
شاعرات اردو	جمیل بریلوی	چند یادگار مشاعرے	ذکی تالکالوی
خونابۂ دل	نور جہاں نوری	کاروان ابر	شاداب ذکی
عروس سخن	رسول جہاں مخفی	تذکرہ شعرائے بدایوں ۱	شہید بدایونی
محفل خواتین	زادوش محشر	تذکرہ غیر مسلم شعرائے بدایوں	شاداب ذکی
حریم ناز	اختر درد		
گلدستہ مشاعرہ باغ ...	۱۲۶۰ھ	بدایوں کا ہے صورت تو	ضیا علی خاں اشرفی
شہر نگاراں	منزل لوہا کھیڑی	بام ہنر	شکیل رحمانی
گلدستہ نازنیناں	کریم الدین	ساز سخن	ادا جعفری
ڈھلکتے آنسو	بابا کھنہ راجے بریلوی	آپ ہیں ۳	عرفان عباسی
مشاہدات عالم	رابعہ	چاندنی اور پھول	قمر سلطانہ
تذکرہ معاصرین ۲	ناکس نام		
جہان ادب	منزل لوہا کھیڑی	اوراق گل	
تذکرہ شعرائے اتر پردیش ۱۵	عرفان عباسی	وقت کی آواز	نثار کشور وکرم
پٹھان شاعرات کا تذکرہ	خان محمد عاطف	گلدستہ بہار سخن	غیر مطبوعہ
تذکرہ شعرائے اتر پردیش ۲	عرفان عباسی	دلستان	غیر مطبوعہ
چراغ شہر جگر کے	قمر قدیر ارتم	شاہجہانپور	مبارک شمیم

رسائل واخبارات

آج کل، دہلی	مختلف شمارے
اکادمی، لکھنؤ	جولائی اگست ۱۹۸۴ء
انیسِ ادب	دسمبر ۱۹۷۶ء
آواز، دہلی	مختلف شمارے
بانو دہلی	״ ״
بیسویں صدی	״ ״
پاسبان	״ ״
تعمیر، ہریانہ	״ ״
پروانہ، بدایوں	״ ״
تعمیر بدایوں (ہفت روزہ)	۰ر جنوری ۱۹۵۵ء
جمنا تٹ	اپریل ۱۹۸۷ء
چلمن، دہلی	جون، جولائی ۱۹۵۰ء
خوشبو، دہلی	جنوری ۱۹۸۳ء
دلی سہ ماہی دہلی	
سو برس دہلی	جولائی ۱۹۷۶ء
شاعر آگرہ	فروری مارچ ۱۹۷۶ء
شمع دہلی	مختلف شمارے
کامیاب ״	
کتاب نما ״	جولائی ۱۹۸۸ء
کوکل	
نیا دور، لکھنؤ	دسمبر ۱۹۸۸ء
ہماری زبان (اخبار)	مختلف شمارے